وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو

# پڑوسیوں کے حقوق


حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین

اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنے والوں کو

# پڑوسیوں کے حقوق

حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی

شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

# فہرست مضامین


| | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | پڑوسی کے حقوق | ۳ |
| ۲ | اچھے دوست کی صفات | ۳۱ |
| ۳ | حسن اخلاق کی تعریف | ۳۳ |
| ۴ | قرض حسنہ کے فضائل واحکام | ۳۵ |
| ۵ | اسلامی اخوت کے حقوق وفرائض | ۴۳ |
| ۶ | مبارک باد دینے کے احکام | ۵۱ |
| ۷ | عیادت کے احکام وآداب | ۵۶ |
| ۸ | تعزیت کے فضائل احکام اور مسائل | ۶۳ |
| ۹ | تعزیت کا حکم اور اس کی فضیلت | ۶۳ |
| ۱۰ | تعزیت کی حکمت | ۶۶ |
| ۱۱ | تعزیت کا وقت | ۶۶ |
| ۱۲ | تعزیت کے الفاظ | ۶۶ |
| ۱۳ | تعزیت کا جواب | ۶۸ |
| ۱۴ | غیر مسلم کے لئے تعزیت | ۶۸ |
| ۱۵ | تعزیت کے لئے نشست | ۶۹ |
| ۱۶ | چہلم اور برسی | ۷۳ |

۱۷ غم رسیدہ آدمی کے لیے کھانے کا انتظام کرنا ۷۵
۱۸ کفن دفن اور جنازہ کے احکام ۷۹
۱۹ مسلمان بھائی کی راحت رسانی کا بیان ۹۰
۲۰ طبقاتی کشمکش کا حل ۹۷
۲۱ اللہ تعالی کے پڑوسی ۱۰۳
۲۲ آداب تلاوت ۱۰۵
۲۳ مسجد کو آباد کرنے والے ۱۱۵
۲۴ احکام مسجد ۱۱۸
۲۵ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم اور اس کی فضیلت ۱۲۲
۲۶ پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق کچھ مزید نصیحتیں ۱۲۷
۲۷ غیر مسلم کی عیادت وتعزیت ۱۳۱


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض ناشر

اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے انسان کو علم سے نوازا اور اپنے دین کی اعلی محنت کے لئے قبول فرمایا۔

ہماری ہمیشہ سے سعی اور کوشش رہی ہے کہ مکتبہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ذریعے عوام الناس کے لئے ایسی کتب پیش کر سکیں جو ان کے لئے نافع اور ہمارے لئے باعث نجات ہوں اللہ تعالی کا احسان و کرم ہے کہ اس سے قبل مکتبہ نے حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی کی کئی تصانیف شائع کی ہیں "پڑوسیوں کے حقوق" تصنیف بھی حضرت مفتی صاحب کی ہے اللہ تعالی اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے۔ ہماری آئندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ جلد از جلد مزید کتب بھی آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔

قارئین کی خدمت میں استدعا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں اپنے دین متین کی نشر و اشاعت کے لئے قبول فرمائے۔ (آمین)

اظہار احمد بخشی

مولانا ہارون خان

# گذارشات

زیر نظر کتاب عربی کے ایک رسالے حق الجار کا اردو ترجمہ ہے جو ایک مصری عالم طٰہٰ عبداللہ العفیفی کا جمع کردہ ہے۔

رسالہ چونکہ بعض اہم معاشرتی مسائل پر مشتمل تھا، اس لئے اس کے ترجمے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

حضرت مولانا حسن الرحمان صاحب دامت برکاتہم نے مصنف کے کئی رسائل کا ایک سلسلہ سعودی عرب میں حج کے موقعہ پر حاصل کیا جو سلسلۃ الحقوق کے نام سے مشہور ہے جس میں مسلمانوں کے باہمی حقوق کی پوری تفصیل آئی ہے باقی رسالوں کا ترجمہ بھی انشاءاللہ عنقریب شائع ہوگا۔

ترجمہ لفظی نہیں کیا گیا ہے بلکہ ترجمانی ہے کہ کتاب کی عبادت اور آیات و احادیث کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔

آیات کا ترجمہ اور مفہوم عموماً تفسیر عثمانی سے لیا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر مفید اضافے بھی کئے گئے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کام کو عام لوگوں کے لئے باعث فائدہ بناوے اور مصنف و مترجم، ناشر اور کاتب کے لئے ذخیرہ آخرت بناوے اور مقبول فرمالے آمین

نظام الدین شامزی

استاذ حدیث جامعۃ العلوم السلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مقدمہ

بندہ نے مسلمانوں کے حقوق اور پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق دو رسالے مرتب کئے تھے جو ایک مصری عالم عبداللہ الصغیفی کی کتابوں کے تراجم تھے۔ لیکن بندہ نے اس کی ترتیب اور مسائل میں اتنی تبدیلی کی ہے کہ یہ اب مستقل رسائل ہوگئے ہیں۔

ان کتابوں میں ان حقوق کی تفصیل ہے جو ایک مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہیں اسی طرح وہ حقوق جو ایک پڑوسی کی حیثیت سے معاشرے میں ایک دوسرے کے ذمے ہوا کرتے ہیں۔

یہ حقوق کا زمانہ ہے ہر آدمی حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس رسالہ میں آپ کو اسلامی حقوق کی تفصیل ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ان رسائل کو میرے اور پڑھنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔ آمین

نظام الدین

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ ۵

۱۴۱۶/۵/۲۹ھ

# پڑوسی کے حقوق

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے پڑوسی کے ڈر سے اپنا دروازہ بند کیا یعنی اس خوف سے کہ وہ میرے گھر والوں کو تکلیف پہنچائے گا یا وہ میرے ہاں سے چوری کرے گا تو اس قسم کا پڑوسی ہرگز مومن نہیں ہے کہ کیونکہ جس کی تکلیف سے اس کے پڑوسی مامون و محفوظ نہ ہوں وہ مومن نہیں! فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوس کے کیا حقوق ہیں؟ پڑوسی کے حقوق یہ ہیں!

(۱) جب پڑوسی تجھ سے مدد طلب کرے تو اس کی مدد کر۔

(۲) جب وہ تجھ سے قرض مانگے (اور تیرے پاس مال ہو) تو اس کو قرض دے۔

(۳) اگر وہ فقیر ہو تو اس کی مدد کی جائے۔

(۴) اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے۔

(۵) اگر اس کے گھر میں کوئی خوشی ہو جائے تو اس کی خوشی میں شریک ہو اور مبارکباد دی جائے۔

(۶) اگر اس کے گھر میں غم اور مصیبت آجائے تو اس کی تعزیت کی جائے۔

(۷) اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان جائے۔

(۸) اور گھر کی عمارت بغیر اس کی اجازت و رضا کے اتنی اونچی نہ کرے کہ اس کے گھر سے ہوا بند ہو جائے۔

(۹) اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اس کو تکلیف نہ پہنچائے اور اگر کوئی اچھی چیز پکائے تو اس کے گھر میں بھی کچھ بھیج دیا کرے۔

(۱۰) اگر کوئی پھل خرید کر لائے تو اس کے گھر بھی کچھ بھیج دے اگر وہ کم ہے اور اس کو نہیں دے سکتا تو پھر چپکے سے اپنے گھر لے جائے اور بچوں کو تاکید کرے کہ وہ گھر سے باہر لے جا کر نہ کھائیں تاکہ پڑوسی کے بچے اس کو دیکھ کر مغموم اور بے چین نہ ہوں۔

اب اس حدیث مبارک میں مختلف حقوق کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے پڑوسیوں کے اقسام بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی طرف قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

واعبدو الله ولا تشركو به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتامى والمساكين والجار ذى القربى والجار الجنب وصاحب بالجنب وابن السبيل ماملكت ايمانكم ان الله لا يحب من كان مختالا فخورا۔

"اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قربت والے رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں فقیروں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے اور مسافروں کے ساتھ اور اپنے ہاتھ کے مال یعنی غلام باندیوں کے ساتھ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ پسند نہیں کرتے اترانے والے اور بڑائی کرنے والے کو"

(سورۃ النساء آیت ۳۶)

یعنی ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجت مندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالے کا حق ہے پھر ماں باپ کا، پھر درجہ بدرجہ سب تعلق والوں یعنی رشتہ داروں اور حاجت مندوں کا۔ ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب اور بعد نسبی مراد ہے یا قرب و بعد مکانی پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ رشتہ دار ہمسایہ کا حق اجنبی ہمسایہ سے زیادہ ہوگا اور دوسری صورت کا مطلب یہ ہوگا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق دور کے ہمسایہ سے یعنی فاصلہ پر رہنے والے سے زیادہ ہوگا اور پاس بیٹھنے والوں میں رفیق سفر۔ رفیق پیشہ کام کے شریک غلام، نوکر شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان اور غیر مہمان شامل ہیں اور مال مملوک غلام لونڈی اور اس کے علاوہ دیگر حیوانات جو آدمی کی ملکیت میں ہوں سب داخل ہیں آخر میں فرمایا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہو وہ کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا، اسی طرح جو آدمی مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے یعنی تم بھی ایسے لوگوں سے الگ رہو۔

اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل فوائد کا بیان ہے۔



(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ایسی عبادت جو شرک سے پاک ہو۔ شرک اس کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یا ذات وصفات میں کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے جیسے کہا گیا ہے کہ۔

لک الف معبود مطاع امرہ
دون الالہ و تدعی التوحید

یعنی تیرے ایک ہزار معبود ہیں تو جن کی بات مانتا ہے یعنی جن کی اوامر کی تو تابعداری کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کے سوا) اور پھر بھی تو توحید کا دعوی کا مدعی ہے؟

(۲) نیز اس آیت میں دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اور والدین کی قدرو منزلت کے اظہار اور ان کے حقوق کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۳) پھر تیسرے نمبر پر رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے چاہے وہ رشتہ دار والد کی جانب سے ہوں یا والدہ کی جانب سے جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں اور ان سب کی اولاد و نسل، یہ سب اس حکم میں شامل ہیں کہ مسلمان آدمی ان کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

(۴) پھر اس کے بعد یتیموں، فقیروں اور مسافروں کی ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے۔ اس سے مراد بھی وہ تمام لوگ ہیں جو ضعف اور فقرو فاقہ کی وجہ سے ہماری مدد و احسان کے محتاج ہیں، چاہے ان کا ضعف اور فقرو فاقہ یتیم ہونے کی وجہ سے ہو کہ ان کے خاندان کا سربراہ اور کمانے والا موجود نہ رہا ہو یا کسی عذرو بیماری کی وجہ سے کمانے کھانے پر قدرت نہیں ہے جیسے فقراء و مساکین اور ضعیف و عمر رسیدہ یا اپاہج و بیمار لوگ یا یہ کوئی مسافر ہو اور سفر کی وجہ سے ہماری مدد کا محتاج ہو۔

(۵) اس کے بعد پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے قریب والے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، قریب والے پڑوسی سے مراد وہ پڑوسی بھی ہو سکتا ہے جو رہائش اور مکان کے اعتبار سے آپ کے قریب ہو اور وہ بھی مراد ہو سکتا ہے جس کا پڑوس بھی ہے اور نسبی قربت بھی ہے یعنی عام لفظ کہ جو مکان، نسب اور دین کی

قرابت سب کو شامل ہے۔

(٦) جار الجنب یعنی دور کا پڑوسی مراد ہے۔ یہ بھی عام لفظ ہے اس سے وہ پڑوسی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ جو نسبی اعتبار سے دور رہے یعنی آپ کے پڑوس میں تو رہتا ہے لیکن آپ کا رشتہ دار نہیں اور وہ بھی جس کی رہائش آپ سے کچھ دور ہے یا دینی لحاظ سے آپ سے بعید ہے۔ پڑوس میں قرب و بعد کی مقدار چالیس گھر تک ہے یعنی گھر کے قریب سے کچھ ہٹ کر چالیس گھر تک بھی باوجود دور ہونے کے پڑوس کہلاتا ہے اور ان سب پر پڑوس کے احکام جاری ہوں گے یعنی یہ دور کے پڑوسی کہلاتے ہیں۔

(٧) والصاحب بالجنب یعنی پاس بیٹھنے والے ساتھی۔ یہ لفظ بھی عام ہے اس سے مراد ہر وہ رفیق ہے جو کسی بھی نیک اور جائز کام میں رفیق ہو جیسے تعلیم، صنعت سفر وغیرہ کا ساتھی بعض مفسرین نے اس کے معنی بیوی سے بھی کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں پڑوس کی جتنی صورتیں مذکور ہیں۔ اس سے واقف ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث پر غور کرنا چاہئے جو مسند بزار میں منقول ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پڑوس کی تین قسمیں ہیں۔

(١) ایک وہ پڑوسی جس کا آدمی پر ایک حق ہوتا ہے۔
(٢) دوسرا وہ پڑوسی جس کے آدمی پر دو حق ہوتے ہیں۔
(٣) تیسرا وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہوتے ہیں یہ سب سے افضل و بہتر پڑوسی ہیں۔

فرمایا کہ ایک حق والا پڑوسی وہ ہے جو مشرک و کافر ہو اور جس کے ساتھ رشتہ داری بھی نہ ہو اس کا حق صرف پڑوسی ہونے کی حیثیت سے ہے اور وہ پڑوسی کہ جس کے دو حق ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے جس کا ایک حق تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہے لیکن اس کا دوسرا حق پڑوسی ہونے کی حیثیت سے ہے۔ رہا وہ پڑوسی کہ جس کے تین حق ہوتے ہیں وہ پڑوسی ہے جو مسلمان بھی ہو اور رشتہ دار بھی۔ اس کا ایک حق تو پڑوس کا ہے دوسرا اسلام کا اور تیسرا رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے بھی اس کا حق ہے۔

حق پڑوس سے تو وہ حقوق مراد ہیں جو ابتدائی حدیث میں گذر چکے ہیں اور جو اس کتاب کا اصلی موضوع ہے جس پر ہم بعد میں تفصیل سے بحث کریں گے۔ حق اسلام سے وہ حقوق مراد ہے کہ جو ہم ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق نامی کتاب میں



بیان کر چکے ہیں (جس کا ترجمہ ہم انشاء اللہ عنقریب کریں گے۔ اس کا اجمالی بیان مندرجہ ذیل دو حدیثوں میں ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔

(١) اس کے سلام کا جواب دینا۔
(٢) اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔
(٣) اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جانا۔
(٤) اگر وہ دعوت کرے تو اس کی دعوت کو قبول کرنا۔
(٥) اگر اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ پوچھا گیا کہ کون کون سے؟ آپ نے فرمایا کہ:

(١) جب کسی مسلمان سے تیری ملاقات ہو تو اس کو سلام کیا کرو۔
(٢) اور جب وہ تیری دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کر لیا کرو۔
(٣) اور جب وہ تجھ سے نصیحت اور خیر خواہی کے لئے کوئی مشورہ طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھ کر اس کو اچھا مشورہ دے دیا کرو۔
(٤) اگر اس کو چھینک آئے اور الحمد للہ کے تو جواب میں یرحمک اللہ کہہ دیا کرو۔
(٥) اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو۔
(٦) اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھ کر جنازے کے ساتھ قبرستان تک جایا کرو۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

رشتہ داری کے حق سے مراد صلہ رحمی کے وہ حقوق ہیں جن کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے کہ،

وآت ذالقربی حقہ۔ "رشتہ داروں کو ان کا حق رشتہ داری دیا کرو"

(سورۃ الاسراء آیت ٢٦)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے بھی حق رشتہ داری اور صلہ رحمی کے متعلق ترغیب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے

رزق میں فراخی اور وسعت پیدا ہو اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا کرے۔

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔ اور جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اچھی بات کرے ورنہ چپ رہے۔ دونوں احادیث صحیح بخاری و مسلم میں منقول ہیں۔

ایک اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں رحمان رحم کرنے والا ہوں اور میں نے صلہ رحمی اور رشتہ داری پالنا مقرر کیا ہے اور میں نے اپنے نام رحمان و رحیم سے اس کے لئے نام الگ کرکے اس عمل کا نام صلہ رحمی رکھا ہے۔ پس جو شخص صلہ رحمی (یعنی رشتہ داری جوڑتا اور اس کے حقوق ادا کرتا ہے) میں اس کا اچھا بدلہ دوں گا اور جو شخص قطع رحمی کرتا ہے۔ میں اس کو قطع کر دوں گا یعنی ثواب سے محروم کروں اور جس نے صلہ رحمی کی میں اس کے لئے ثواب دوں گا۔ بے شک میری رحمت میرے غصے پر سبقت کر چکی ہے۔ (۱)

لفظ الرحم (را کی فتح اور حاء کے کسرہ کے ساتھ) کا اطلاق ان تمام رشتہ داروں پر ہوتا ہے جن کے ساتھ نسبی تعلق ہو چاہے وہ شرعاً اس آدمی کے وارث بن سکتے ہوں یا نہیں۔

صلہ رحمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نسبی رشتہ داروں اور سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور ان کے حالات کی رعایت کرنا یعنی مختلف احوال میں حسب استطاعت ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا اسی طرح حسن سلوک کا یہ تعلق اس وقت بھی قائم رکھنا جب رشتہ دار حسن سلوک کے بدلے آپ سے اچھا سلوک نہ بھی کرتے ہوں اور صلہ رحمی کو قطع کرنے کا مطلب ہے ان مذکورہ بالا صورتوں کے برعکس عمل کرنا۔

عربی میں اس کے لئے "وصل رحمہ" کا لفظ کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے کہ رشتہ داری کو جوڑنا گویا کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا احسان کے ذریعہ سے نسبی یا سسرالی رشتے کو جوڑتا ہے۔



اس مذکورہ بالا حدیث میں یہ لفظ تھا کہ "وشققت لھا من اسمی" جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے نام رحمان سے اس عمل کے یہ نام کاٹا یعنی اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے صفت رحمت کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔

باقی مباحث شروع کرنے سے پہلے حق پڑوس کی آیت سے متعلق تفسیر قرطبی سے کچھ تشریح اور مباحث نقل کئے جاتے ہیں جس میں پڑوس کی تشریح اور اس کے سب اقسام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۳۶ کے تحت تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ،

قولہ تعالیٰ والجار ذی القربیٰ والجار الجنب

کہ پڑوسی کے حقوق کی حفاظت اور اس کی حقوق کی ادائیگی کی متعلق اللہ و تعالیٰ نے اس آیت میں حکم فرمایا ہے اور اس کے حقوق کی رعایت کی وصیت اللہ تبارک نے اپنی کتاب میں بھی کی ہے اور اپنے پیغمبر ﷺ زبانی بھی اس کی تاکید کی ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے والدین اور رشتہ داروں کے بعد پڑوسی قریب اور بعید سے حقوق کے متعلق تاکید فرمائی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ والجار ذی القربیٰ سے مراد رشتہ دار پڑوسی اور والجار الجنب سے مراد اجنبی اور غیر رشتہ دار پڑوسی مراد ہیں اسی طرح لغت میں بھی یہ الفاظ اس معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ والجار الجنب یہ لفظ جیم کے فتح اور نون کے سکون کے ساتھ بھی منقول ہے چنانچہ جنب کا لفظ اس طرح پڑھا جاتا ہے اور جیم کے ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اجنب جیم کے ضمہ اور نون کے فتح کے ساتھ کہا جاتا ہے اجنبی اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ساتھ تعلق قرابت اور رشتہ داری نہ ہو جس کی جمع اجانب آتی ہے بعض حضرات کہتے ہیں۔ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے یعنی والجار ذی الجنب سے مراد ہے یعنی وہ پڑوسی جو کنارے اور طرف میں واقع ہو۔

النوف الشامی سے منقول ہے کہ والجار ذی القربیٰ سے مراد مسلمان پڑوسی ہے قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم عام ہے چاہے پڑوسی مسلمان ہو یا کافر یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ محبت و تعلق رکھا جائے اچھی معاشرت ہو اور پڑوسی کو

تکلیف نہ پہنچائی جائے اس کی حفاظت و حمایت کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ حضرت جبرائیل مجھے پڑوسی کے متعلق بار بار وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید اس کو وارث بھی بنا دیں۔

ابو شریح سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم مسلمان اور مومن نہیں بن سکتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول کون؟ فرمایا وہ آدمی کہ جس کی تکالیف سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے حکم میں ہر قسم کے پڑوسی شامل ہیں اور یہ حدیث عام ہے دیکھئے اس حدیث میں آپ نے تاکیداً تین دفعہ یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ جس کی اذیتوں اور تکالیف سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو وہ آدمی کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا ہے لہذا ہر مومن پر لازم ہے کہ پڑوسیوں کو ایذا و تکلیف دینے سے بچے اور ہرگز ایسے کام نہ کرے جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اور ان امور میں رغبت رکھے جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں پسندیدہ اعمال ہیں اور جن کی ترغیب شریعت میں دی گئی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول میرے دو پڑوسی ہیں اور کبھی دینے کی کوئی چیز ہوتی ہے جو کم ہوا کرتی سب کو نہیں دی جا سکتی ہے تو وہ میں دونوں میں سے کس کو دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس پڑوسی کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔ علماء نے فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کی یہ حدیث قرآن کریم کی آیت والجار ذی القربیٰ کی مراد کی واضح کرتی ہے کہ اس آیت میں مراد وہ پڑوسی ہے کہ جس کا گھر زیادہ قریب ہو اور اس کے مقابلے میں والجار الجنب سے وہ پڑوسی مراد ہوگا جو دور ہو۔ قرآن کی آیت میں پڑوسی قریب اور بعید مراد لینے کے لئے شفعہ کے مسائل سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جس میں آپ سے منقول ہے کہ پڑوسی جس کی دیوار ساتھ ملی ہوئی ہے ہو حق شفعہ کا زیادہ حقدار ہے۔

لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے صرف یہ بات پوچھی تھی کہ ہدیہ دیتے وقت کس پڑوسی کو ترجیح دی جائے تو آپ نے بتایا کہ جس کا



دروازہ زیادہ قریب ہو وہ بنسبت اس پڑوسی کے زیادہ حقدار ہے کہ جس کا گھر دور ہے۔ ابن اسندر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کا گھر آپ کے گھر کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔

البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ پڑوسی جس کا گھر ساتھ ملا ہوا ہے وہ جب اپنا حق شفعہ چھوڑ دے تو دور کے پڑوسی کا حق شفعہ نہیں ہے۔ لیکن عام علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے اپنے پڑوسیوں کے لیے کسی چیز کی وصیت کی تو وصیت کے مطابق وہ چیز ان پڑوسیوں کو بھی دی جائے گی جن کی دیواریں وصیت کرنے والے کے گھر کے ساتھ ملی ہوئی ہیں اور ان کو بھی دی جائے گی جن کے گھر کچھ دور ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ وصیت کردہ چیز صرف ان پڑوسیوں کو دی جائے گی جن کی دیواریں وصیت کرنے والے کے گھر کے ساتھ ملحق ہیں۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے پڑوس کا حق کہاں تک ہے امام اوزاعی اور مشہور محدث محمد بن شہاب زہری سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر جانب سے چالیس گھر تک پڑوس ہے۔ حدیث میں منقول ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں ایک قوم کے محلے میں رہتا ہوں لیکن جس پڑوسی کا گھر سب سے زیادہ میرے گھر کے قریب ہے وہ مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو بھیجا کہ وہ جا کر مدینہ منورہ کی تمام مساجد کے دروازوں پر نماز کے بعد اعلان کریں کہ ہر جانب چالیس گھر تک پڑوس کا حق ہے اور جس کی اذیتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک اذان کی آواز جتنے لوگ سنتے ہیں وہ سب ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ علماء کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ جتنے لوگ ایک مسجد کی اذان و اقامت سنتے ہیں یعنی ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو وہ سب اس مسجد کے اور ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ ایک محلے بلکہ ایک گاؤں اور شہر کے سب لوگ ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت سے جو سورہ احزاب میں ہے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے منافقین سے

بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر منافقین اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں تو پھر یہ آپ کے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے حالانکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پڑوس میں نہیں رہتے تھے بلکہ مدینہ منورہ کے شہر میں رہتے تھے تو مدینہ منورہ میں ان کے رہنے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پڑوس سے تعبیر فرمایا تو معلوم ہوا کہ پڑوس کے بہت سارے مراتب ہیں بعض زیادہ قریب ہیں اور بعض کچھ دور، سب سے قریب درجہ بیوی کا ہے اور بیوی پر بھی کلام عرب میں جارہ یعنی پڑوسن کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے کہ الشی کے اس شعر میں ہے کہ،

ایا جارتا بینی فانک طالقة

کذاک امور الناس نحاد و طارقة

"اے میری پڑوسن علیحدگی اختیار کرلے اس لئے کہ تجھے طلاق ہے اور اسی طرح لوگوں کے احوال وامور صبح وشام بدلتے رہتے ہیں۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور اکرم میں یہ صورت بھی شامل ہے جو کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوذر جب تم سالن پکاتے ہو تو اس میں کچھ پانی ڈال دیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کو حسن سلوک کے طور پر دیا کرو۔ اب اس حدیث پر غور فرمایئے کہ نبی اکرم ﷺ نے کس طرح اچھے اخلاق کی تعلیم دی جس کی بناء پر حسن معاشرت ہوگی۔ محبت بڑھے گی۔ غریب کی حاجت بھی پوری ہوگی۔ اور اسی طرح معاشرہ میں فساد بھی نہیں پھیلے گا اور پڑوسیوں کے درمیان بغض وحسد اور ناراضگی بھی پیدا نہیں ہوگی اس لئے کہ اگر کسی کے گھر میں اچھے سالن اور کھانے پکتے ہیں اور اس کا پڑوسی غریب ہو کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پڑوسی کی اولاد زیادہ ہیں اور وہ غریب ہونے کی وجہ سے اچھی چیزیں نہیں کھلا سکتا ہے یا کوئی بیوہ عورت ہے اور اس کے یتیم بچے ہیں وہ ان کی اعلیٰ کفالت نہیں کر سکتی ہے تو اس طرح گھر کا کفالت کرنے والا اور اس کے غریب چھوٹے بچوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ان میں احساس محرومی پیدا ہوتی ہے۔ منقول ہے کہ بعض ایسی وجوہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو اپنے محبوب بیٹے حضرت یوسف کی فراق میں مبتلا کیا تھا۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تبارک نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تجھے کیوں اس تکلیف میں مبتلا کیا تھا اور



تقریباً اسی سال تیرے بیٹے یوسف کو تجھ سے دور رکھا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ تو نے ایک بھیڑ ذبح کر کے پکایا اور اس کو صرف خود کھایا اور اپنے گھر والوں کو کھلایا اور اپنے پڑوسیوں کو کچھ نہیں دیا اس لئے میں نے تجھے اس تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ تجھے اندازہ ہو کہ اولاد کے فراق اور دوسرے تکالیف سے والد کو کتنی تکلیف پہنچتی ہے۔

اس قسم کے واقعات جو بہت چھوٹے اور بظاہر معمولی لیکن بعض دفعہ ان ہی واقعات کی بنا پر آدمی کا مواخذہ ہوتا ہے اس طرح اس قسم کی باتیں دنیوی احساس محرومی کی صورت میں بعض بڑے فتنوں اور غیر نظاموں کے لئے بنیاد فراہم کرتے ہیں اس لئے نبی اکرم ﷺ فداہ ابی وامی نے اس قسم کے فتنوں کے وقوع سے پہلے اس کے سدباب کے لئے ہدایات دی تھی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے پورے طور پر دین اسلام کے ان روشن وواضح ہدایات پر توجہ نہیں دی جس کی بنا پر بعض غیر شرعی نظاموں کو ظاہری طور پر پنپنے کا موقعہ ملا۔ اگرچہ وہ نظام حقیقتاً ظاہراً وباطناً تاریک تر تھے لیکن ظاہراً ظلم کے نظام میں پسے ہوئے لوگوں کے لئے اس میں کشش تھی اگرچہ اب خود اس نظام کے داعی اس کو ترک کر کے اپنی تمام ترناکامیوں کا سبب اسی کو جانتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے فتنے احکام اسلام پر عمل کرنے سے ختم ہو سکتے ہیں مثلاً اس حدیث بالا میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ اپنے سالن میں تھوڑا پانی زیادہ ڈال کر پڑوسیوں کو دیا کرو حالانکہ یہ بہت معمولی عمل ہے لیکن اس کے ذریعے آدمی دنیوی اور اخروی آفات اور فتنوں سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ ان ہی وجہ کی بناء پر ہدیہ دینے کی تاکید فرمائی۔ اس لئے کہ آدمی کے گھر میں جو کچھ آتا ہے۔ یا پکتا ہے۔ وہ اس کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا فطری طور پر ان کا دل بھی ان چیزوں کو چاہتا ہے۔ نیز یہ کہ ایسے حسن سلوک کی وجہ سے وہ پڑوسی بھی اچانک پیش آنے والے حوادث میں بھر مدد کے لئے تیار رہتا ہے۔

اس کے بعد امام قرطبی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں سالن میں پانی زیادہ کرنے کا جو حکم دیا ہے اس میں آپ ﷺ بخیل لوگوں کو سمجھانے کے لئے یہ لطیف اشارہ بھی کیا ہے کہ جن لوگوں کی طبیعت میں مال کی محبت اور بخل ہوتا ہے وہ بھی اس پر عمل کر کے بغیر کچھ خرچ کئے ثواب کما سکتے ہیں کیونکہ پانی زیادہ کرنے سے

کچھ [illegible] بھی نہیں ہوتا ہے اس لئے آپ نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ اس میں گھی یا گوشت زیادہ ڈالو تاکہ پڑوسیوں کو کچھ دے سکو اس لئے کہ بعض لوگ بخل اور بعض اپنی افلاس و غربت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کر سکتے اس لئے کسی نے کہا ہے کہ میرے پڑوسی کی اور میری ہانڈی ایک ہے اس کے پاس پہلے ہانڈی اٹھائی جاتی ہے یعنی ہانڈی سے اس کو دیا جاتا ہے۔ پھر ہم استعمال کرتے ہیں۔

ایسے موقعوں پر اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ بالکل معمولی اور حقیر چیز نہ دیا کرے اس لئے کہ حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پڑوسیوں میں سے کسی کو اتنی چیز دی جائے جو عرفاً دی جاتی ہے اور جس سے ان کو فائدہ ملے اس لئے اتنی کم یا حقیر چیز نہ دیا کرے کہ جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہو البتہ اگرچہ چیز کم ہو یا جو چیز جتنی میسر ہو اس کا دینا جائز ہے جس کو ہدیہ جارہا ہے اس کو بھی چاہئے کہ ہدیہ چاہے کتنا ہی کم ہو اور کم قیمت ہو لیکن اس کو حقیر نہ سمجھے اور بشاشت کے ساتھ اس کو قبول کرے اور شکریہ ادا کرے۔ حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا یہ قول بھی منقول ہے جس میں آپ نے اہل ایمان عورتوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والی عورتو! تم میں سے کوئی عورت اپنے پڑوسن کو ہدیہ دینا اور لینا حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کا جلا ہوا کھر دیا جارہا ہو۔

(کذا فی موطا مالک رحمہ اللہ تعالیٰ)

نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ اگر پڑوسی کو ضرورت ہو اور وہ غریب ہو اپنے گھر کے لئے تک دیوار بنانے کی طاقت و استطاعت نہ رکھتا ہو تو دوسرے پڑوسی کو اس کی دیوار میں شہتیر اور لکڑی اپنی دیوار پر رکھنے سے ہرگز منع نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بھی پڑوس کے حقوق اور پڑوسی کے اکرام میں شامل ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ روایت بیان کی تو بعض لوگوں نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا کہ ہماری دیوار ہماری ملکیت ہے ہمیں حق ہے کہ ہم منع کرنا چاہیں تو منع کریں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ یہ آپ کس قسم کی روایت بیان کر رہے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کے حکم سے اعراض کر رہے ہو خدا کی قسم اگر تم نہیں سننا چاہتے تو پھر بھی میں تمہارے پیچھے آ کر تمہیں سناؤں گا۔ اب یہ کہ یہ حکم وجوبی ہے یا استحبابی تو امام



مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے پڑوسی کے لئے بہتر اور باعث ثواب ہے کہ وہ اس پر عمل کرے تاکہ اس پر تنگی نہ ہو لیکن اگر یہ عمل خود آدمی کے لئے باعث نقصان ہے تو اس کو منع کرنے کا بھی اختیار ہے اس لئے کہ دیوار جس کی ملکیت ہے اور حق ملکیت کے متعلق ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جائز نہیں کسی مسلمان کے مال اور ملکیت کو استعمال کرنا مگر جب وہ راضی اور خوش ہو اس لئے ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہی ہے۔ ورنہ عام قانون وہی ہے جو اس دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو دے دیا کرے اور منع نہ کرے۔ یہ حکم بھی اکثر علماء مجتہدین کے ہاں استحباب پر محمول ہے کہ اگر مسجد میں جانے میں خیر اور مصلحت ہے تو جانے کی اجازت دے دے اور اگر نہ جانے میں مصلحت ہے یعنی کسی فتنے اور گناہ میں واقع ہونے کا خطرہ ہے تو پھر ہرگز جانے کی اجازت نہ دے بلکہ منع کر دے البتہ امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا ایک قول اور امام اسحاق، ابوثور الشافعی اور داؤد بن علی الظاہری کا قول ہے کہ یہ حکم یعنی پڑوسی کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت دینا واجب ہے یہ حضرات ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاکید سے وجوب کے لئے استدلال کرتے ہیں کہ اگر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے اس حکم کو واجب نہ سمجھتے تو اتنی تاکید کے ساتھ لوگوں سے اس کو نہ منواتے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے جیسے کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن مسلمۃ اور ضحاک بن خلیفہ کا اختلاف تھا۔ ضحاک بن خلیفہ محمد بن مسلمۃ کی زمین میں سے پانی کی نالی گذار کر اپنی زمین میں پانی لے جانا چاہتے تھے اور محمد بن مسلمہ اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی کی نالی محمد بن مسلمۃ کی زمین سے گذارنے کا حکم دیا۔ محمد بن مسلمۃ نے کہا کہ خدا کی قسم ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم یہ نالی اس زمین سے ضرور گذاری جائے گی اگرچہ تیرے پیٹ پر گذارنا پڑے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمۃ کی زمین میں پانی کی نالی بنانے کا

حکم دیا اور ضحاک بن خلیفہ نے ان کی زمین میں سے نالی گزار کر پانی زمین میں پہنچایا۔

(رواہ مالک فی الموطا)

امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ اس وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عجب ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے کو خود اپنی کتاب میں نقل کیا لیکن اس پر اپنے مسلک کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اپنی رائے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے کو رد کیا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے اختلاف نہیں کیا کیونکہ محمد بن مسلمہ جو صحابی ہیں ان کی عبدالرحمن بن عوف کی اور عام انصار صحابہ کی رائے اس مسئلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف تھی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہو تو پھر کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کے لئے قیاس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ مسلمانوں پر آپس میں ایک دوسرے کا خون مال وغیرہ حرام ہے سوائے اس مال کے جو کوئی مسلمان اپنی خوشی اور رضا سے دوسرے کو دینا چاہے اسی طرح کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا بھی حرام ہے اور یہی بات نبی اکرم ﷺ سے ثابت بھی ہے بلکہ خود حضرت ابوہریرہ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بعض صحابہ اس کو واجب نہیں سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے اس حدیث سے بظاہر اعراض کیا اس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے سے بھی استدلال صحیح نہیں کیونکہ پانی کی نالی کا حکم اس حدیث کے حکم سے مستثنیٰ ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ حلال نہیں کسی کا مال مگر صرف اس کی خوشی اور رضا سے اس لئے کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کے مال کو اپنی ملکیت میں لینا بغیر اس کی رضا کے جائز نہیں ہے اور پانی کی نالی کسی کی زمین سے گذارنا یہ ملکیت نہیں ہے۔ صرف پانی کے گذارنے کا حق ثابت کرنا ہے زمین اور نالی کی ملکیت بدستور مالک زمین کی ہوتی ہے خود نبی اکرم ﷺ نے دونوں حکموں میں فرق کیا ہے اس لئے دونوں حکموں کو ایک طرح سمجھنا اور جمع کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔



امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ابوالمطلب نامی ایک قاضی اسی کے مطابق فیصلہ کیا کرتا تھا نیز یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ جو اعمش نے حضرت انس سے نقل کیا ہے اس کو محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعمش کا روایت سننا ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ پڑوس کے راستے اور ہوا وغیرہ کے حق کو نبی اکرم ﷺ نے الگ بیان کیا ہے حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے کہ ہم نے پوچھا کہ اللہ کے رسول پڑوسی کے کیا حقوق ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تجھ سے قرض لے تو بشرط وسعت قرض دے دے اور اگر کوئی اور مدد و اعانت طلب کرے تو بشرط قدرت اس کی مدد کر۔ اگر وہ محتاج ہو تو اس کو کچھ دے دیا کر۔ اگر وہ مریض ہو تو اس کی عیادت کیا کر۔ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جایا کر۔ اگر اس کو کوئی خوشی اور خیر ملے تو تجھے اس پر خوش ہونا چاہئے اور مبارک باد دینا چاہئے اور اگر اس کو کوئی مصیبت اور تکلیف ملے تو تجھے اس پر غمگین ہونا چاہئے اور تعزیت کرنی چاہئے اور اپنی ہانڈی کی بو اور دھوئیں سے اس کو تکلیف مت پہنچا یعنی کچھ پکے تو اس کو دیا کر اور اس کی آبادی سے اپنی آبادی اونچی مت کر تاکہ تجھے اس کے گھر میں جھانکنے کا موقع ملے اور اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔ البتہ اگر پڑوسی اجازت دے دے تو پھر جائز ہے۔ اگر تو اپنے گھر کے لئے پھل وغیرہ خریدے تو اس کو بھی اس سے کچھ ہدیہ دیا کرو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر اس کو چھپا کر اپنے گھر میں لے جایا کر اور اپنے بچوں کو تاکید کر کہ کوئی ایسی چیز باہر نہ لے جا کر کھائیں جس سے اس کے بچوں کو افسوس و غصہ آئے کہ ہمیں کیوں ایسا میسر نہیں تاکہ وہ احساس محرومی میں مبتلا نہ ہوں اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا کیا تم نے اس کو سمجھ لیا۔ پھر فرمایا کہ بہت تھوڑے لوگ پڑوسی کے حقوق ادا کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے رحم کیا ہے۔ یہ بہت جامع اور بہتر حسن حدیث ہے اگرچہ اس کی سند میں ابوالفضل عثمان بن مطر الشیبانی ایک راوی ضعیف ہے۔

اس کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ پڑوسی کے اکرام کے متعلق جتنی احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں اس میں پڑوس کے مسلمان ہونے کی قید نہیں ہے اس لئے جتنے احکام پڑوس کے متعلق احادیث میں مذکور ہیں وہ مسلمان و کافر دونوں قسم

کے پڑوسیوں کے لئے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا کہ اگر ہمارے پڑوسی کافر ہوں تو ان کو ہم اپنے ذبیحے کا گوشت دے سکتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مشرکین کو مسلمان کے ذبیحہ کا گوشت مت کھلاؤ۔ اس حدیث میں مسلمانوں کے ذبیحے کا گوشت کفار و مشرکین کو کھلانے کی ممانعت کی گئی ہے لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس سے وہ ذبح مراد ہے کہ جو کسی مسلمان پر نذر وغیرہ کی وجہ سے واجب ہو چکا ہو جس کو ذبح کرنے والا خود بھی نہیں کھا سکتا ہے۔ اور غنی اور مالک نصاب کو بھی نہیں دے سکتا ہے۔ غیر واجب ذبیحہ مثلاً نفلی صدقہ کرنے کے لئے جانور ذبح کیا یا قربانی کا جانور ذبح کیا تو وہ ذبح جس کو آدمی خود کھا سکتا ہے اور دوسرے اغنیاء کو کھلا سکتا ہے وہ اہل ذمہ اور کفار و مشرکین کو بھی دے سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ نے قربانی کی اور گوشت تقسیم کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کہ تقسیم کی ابتداء اس یہودی پڑوسی سے کرو کہ پہلے اس کے ہاں گوشت بھیج دو کیونکہ اس کے پڑوس کا حق ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے ہاں کوئی جانور ذبح ہوا جب کہ وہ گھر میں نہیں تھے جب آئے تو پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے اس یہودی پڑوسی کو گوشت بھیجا ہے۔ تین مرتبہ تاکید کے ساتھ بار بار فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ حضرت جبرائیل مجھے بار بار پڑوس کے حقوق اور اکرام کے بارے میں وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ شاید پڑوسی کو وارث بنا دے یعنی میراث میں مرنے والے کی اولاد کے ساتھ اس کو شریک کیا جائے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت میں والصاحب بالجنب سے مراد رفیق سفر ہے۔ چنانچہ سند کے ساتھ امام طبری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک سفر میں آپ کے ساتھ ایک ساتھی تھا جو الگ سواری پر سوار تھا۔ چلتے چلتے آپ درختوں کے جھنڈ میں گھس گئے اور دو لاٹھیاں (عصا) کاٹیں۔ ایک لاٹھی اچھی اور سیدھی تھی دوسری کچھ ٹیڑھی تھی آپ نے وہ اچھی اور سیدھی لاٹھی اپنے رفیق سفر کو عنایت فرمائی۔ اس نے عرض کیا کہ اس اچھی لاٹھی کے آپ زیادہ مستحق تھے آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں اے فلاں جب دو آدمیوں کا سفر میں ساتھ ہوتا ہے تو ہر ایک سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ اس نے سفر میں اپنے ساتھی کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور



اسے کوئی تکلیف و اذیت تو نہیں پہنچائی اگرچہ وہ سفر اور ساتھ تھوڑے وقت کے لئے ہو۔

ربیعہ بن ابو عبدالرحمن سے منقول ہے کہ سفر کی صفت مروت الگ ہے اور حضر کی صفت مروت الگ ہے۔ سفر کی مروت یہ ہے کہ آدمی اپنی زاد راہ اور خرچ سفر ساتھیوں پر خرچ کرے اور ان کے ساتھ اختلاف نہ کرے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ جائز مذاق کیا کرے تاکہ وقت اچھا گذرے اور حضر کی مروت یہ ہے کہ آدمی مسجد میں زیادہ وقت صرف کرے کثرت سے تلاوت قرآن کیا کرے اور زیادہ لوگوں سے اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے دوستی رکھے۔ چنانچہ مشہور سخی حاتم طائی کے اشعار ہیں کہ:

اذا مارفیقی لم یکن خلف ناقتی
لہ مرکب فضلا فلا حملت رحلی
ولم یک من زادی لہ شطر فرودی
فلا کنت ذازاد ولا کنت ذافضل
شریکان فیما نحن فیہ وقدارٰی
علی لہ فضلاً بما نال من فضلی

"جب میرے سفر کے ساتھی کے ساتھ میری سواری کے پیچھے سواری نہ ہو تو پھر ایسی حالت میں میں پیدل بھی نہیں چلتا کجا یہ کہ میں سواری پر سوار ہو جاؤں اور اگر میں زادِ راہ اور خرچ سفر کا نصف حصہ اپنے رفیق سفر پر خرچ نہ کروں تو پھر نہ میں زاد راہ کا مالک شمار کئے جانے کا مستحق ہوں اور نہ میں صاحب عزت و فضیلت بن سکتا ہوں۔ ہم دونوں زاد راہ اور خرچ سفر میں شریک ہوں گے اگرچہ وہ میری ملکیت ہے لیکن میں اس میں شریک سفر کا حصہ اور حق اپنے آپ سے زیادہ سمجھتا ہوں اور رفیق سفر کو زیادہ عزت و فضیلت کا مستحق سمجھتا ہوں کیونکہ اس نے میرا زادِ سفر استعمال کر کے مجھے عزت دی ہے"

حضرت علی عبداللہ بن مسعود اور ابن ابی لیلی سے نقل کیا گیا ہے کہ الصاحب بالجنب سے مراد بیوی ہے۔ ابن جریج سے منقول ہے کہ اس سے ہر وہ ساتھی مراد ہے کہ جو تیرے ساتھ ہر وقت رہتا ہو اور تجھے پہچاننا چاہتا ہو لیکن پہلا قول جو حضرت ابن عباس، ابن جبیر، عکرمہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ اس لفظ سے مراد سفر کا ساتھی ہی زیادہ صحیح

ہے۔

امام قرطبی کی بیان کردہ تفصیل سے پڑوس کے انواع اور اس کے بعض احکام کی وضاحت ہو گئی۔ یہ ایسے ضروری احکام ہیں کہ ہر مسلمان مرد عورت کو ان احکام سے واقفیت ہو گئی۔ یہ ایسے ضروری احکام ہیں کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو ان احکام سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے تاکہ مسلمانوں کے درمیان دنیوی طور پر بھی امن و فلاح کا دور دورہ ہو جائے کیونکہ عام طور پر زمین و معاشرہ میں فساد اس طرح پیدا ہوتا ہے۔ کہ لوگ یک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی فکر و رعایت نہیں کرتے ہیں اب اس کے بعد ہم اس حدیث کی وضاحت کرتے ہیں جو اس کتاب کے ابتداء میں موضوع کے متعلق نقل کی گئی تھی۔ سب سے پہلے ہم اس حدیث کے ابتدائی جملے دیتے ہیں۔

اس حدیث کی ابتداء اس جملے سے ہوتی ہے من اغلق بابه دون جاره مخافة علی آهله وماله فلیس ذالک بمؤمن اس جملے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا دروازہ پڑوسی پر بند کیا اپنی اہل و عیال اور مال پر ڈر کی وجہ سے تو یہ آدمی مومن نہیں ہے۔ اس میں ترغیب دی گئی ہے کہ آدمی اپنے غریب پڑوسی کے ساتھ احسان و اکرام کا سلوک کرے اور اس پر خرچ کروں گا تو میرے اہل و عیال بھوکے رہ جائیں گے۔ اور میرا مال ختم ہو جائے گا۔ اسی معنی میں ایک حدیث منقول ہے۔ لیث بن سعد عن نافع عن ابن عمر۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ جب آدمی کے پاس دینار و درہم یعنی روپیہ پیسہ ہوتا تھا تو اپنے مال کا سب سے زیادہ حق دار اپنے مسلمان بھائی کو سمجھتا تھا یعنی اس پر خرچ کیا کرتا تھا لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ دینار و درہم یعنی روپے پیسہ مسلمان بھائی سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں یعنی مال و دولت سے محبت کرتے ہیں اور اس کو اپنے مسلمان بھائی پر خرچ نہیں کرتے حالانکہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ فرمایا بہت سے پڑوسی ایسے ہوں گے جو قیامت کے دن اپنے پڑوسیوں کو پکڑ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پیش کریں گے اور کہیں گے کہ اے رب میرے اس پڑوسی نے مجھ پر اپنا دروازہ بند کر دیا اور اپنا احسان و اکرام مجھ سے روک دیا تھا یعنی میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ محفوظ رہنا چاہئے کہ اپنا دروازہ پڑوسی پر کھول دینے کا مطلب صرف اتنا ہے کہ



اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کی مدد کرے اور ضرورت کے وقت ہر قسم کا جائز تعاون پیش کرے۔ یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اپنے گھر میں اس کو آزادانہ آمدورفت کی اجازت دے اور اسلام نے پردے اور نظر اور دوسری حرام کاریوں کے متعلق جو احکام بتلائے ہیں ان کی پرواہ نہ کرے کیونکہ اس طرح تو بے حیائی کا دروازہ کھلے گا اور آج کل آزادانہ آمدورفت اور پردہ نہ کرنے سے جو حیا سوز مناظر سامنے آنے ہی ان کا جواز نکل آئے گا حالانکہ اسلام میں اس قسم کا آزادانہ ماحول اور اختلاط ہر گز جائز نہیں کیونکہ اس سے زنا اور بے حیائی عام ہو گی جس کا مشاہدہ اس قس کی دوستیوں اور بے تکلفیوں میں آج کل کیا جا رہا ہے۔ خصوصاً مغربی معاشرہ میں اور ان معاشروں میں بھی جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گناہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک اور اللہ کا مثل ٹھہرا دے جب کہ اس نے تجھے پیدا کیا اور اس عمل میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تھا۔ میں نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے فرمایا کہ یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے یعنی تو ان کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکے گا اس خوف سے ان کو قتل کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(اخرجہ الشیخان)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ادب المفرد میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے زنا کے متعلق پوچھا تو صحابہ نے عرض کیا کہ زنا حرام ہے اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی حرمت بیان کی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی دس عورتوں سے زنا کرے تو اس کا گناہ اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرنے کے مقابلے میں کم ہے پھر آپ نے چوری کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ چوری بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کی حرمت بیان فرمائی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی آدمی دس گھروں سے چوری کرے تو اس کا گناہ بھی

حدیث میں جو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو بچاؤ عورتوں کے ہاں داخل ہونے سے یعنی دوسروں کے گھروں میں جانے سے ممانعت فرمائی جا رہی ہے ایک آدمی نے عرض کیا کہ اگر ایسا آدمی ہو جو شوہر کا رشتہ دار ہو جیسے دیور تو کیا وہ بھی بھائی کی بیوی کے پاس نہیں جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو موت ہے اب اس حدیث پر اس پہلو سے بھی غور فرمائے کہ جب رشتہ دار غیر محرم کو موت کہا گیا تو اجنبی کا حکم کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ دیور اور شوہر کی جانب سے جو رشتہ دار ہیں ان کو موت کہا گیا کیونکہ کو اختلاط کا موقعہ ملتا ہے جس کو بے دین آدمی زنا کے لئے موقعہ غنیمت جان کر استعمال کر سکتا ہے کیونکہ عام طور پر اجنبی کا کسی کے گھر میں آنے جانے کو لوگ معیوب سمجھتے ہیں اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن رشتہ دار پر زیادہ شبہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر وہ بے دین ہو تو اس کے لئے زنا کے مواقع بھی زیادہ ہیں اس بناء پر شریعت نے محرم کے علاوہ سب سے پردہ کا حکم دیا۔ پردہ کے حکم پر عمل نہ کرنے اور عام اختلاط رکھنے کے مفاسد کا مشاہدہ آج کل کھلی آنکھوں ہو رہا ہے۔ جیسے کہ اکبر الہ آبادی نے فرمایا تھا کہ،

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا
جس کو سمجھے تھے کہ بیٹا ہے بھتیجا نکلا

حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن یسار سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سے کسی کا سر لوہے کی سوئی سے زخمی کیا جائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے نسبت اس کے کہ وہ کسی ایسی عورت کو مس بھی کرے جو اس کے لئے حلال نہیں۔

(رواہ الطبرانی والبیہقی ورجالہ رجال الصحیح)

ان ارشادات کی روشنی میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مذکورہ احادیث میں بیان کردہ احکام کا پابند رہے اور اپنے پڑوسی کو تکالیف سے محفوظ رکھے جیسے کہ اس حدیث کے دوسرے جملے میں ارشاد ہے کہ وہ آدمی مومن کامل نہیں بن سکتا ہے جس کے پڑوسی اس کی شر اور تکالیف سے محفوظ نہ ہو۔ اس روایت میں بوائق کا لفظ ہے جس کی تشریح خود نبی اکرم ﷺ سے دوسری روایت میں منقول ہے۔

چنانچہ ابو شریح الکعبی سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ خدا



کی قسم مومن کامل نہیں ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض کیا کہ اللہ کے پیغمبر آپ کس کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں۔ یہ تو خائب و خاسر ہوا فرمایا وہ آدمی جس کی بوائق سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ بوائق سے کیا مراد ہے فرمایا کہ شر اور تکالیف مراد ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کامل مومن وہ ہے کہ جس کے شر سے دوسرے لوگ مامون ہوں اور کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ کی تکالیف سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور حقیقی مہاجر وہ ہے کہ جس نے برائی ترک کر دی۔ خدا کی قسم وہ بندہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ جس کا پڑوسی اس کے شرور سے محفوظ ہو۔

(رواہ احمد ابو یعلی والبزار)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے اخلاق کی بھی اس طرح تقسیم فرمائی ہے جیسے کہ رزق کی تقسیم کی ہے یعنی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دی ہے۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا ایسے شخص کو بھی عطا فرماتے ہیں کہ جس کو محبوب رکھتے ہیں اور ایسے شخص کو بھی عطا فرماتے ہیں کو جس کو محبوب نہیں رکھتے لیکن دین (یعنی علم و عمل کی توفیق) فقط ان لوگوں کو دیتے ہیں جن کو محبوب رکھتے ہیں۔ پس جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے تابع نہ ہو اور اس وقت تک کوئی شخص کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی شر سے محفوظ نہ ہو۔ آپ نے بوائق کا لفظ ارشاد فرمایا۔ میں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول بوائق کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم و زیادتی۔ فرمایا کہ کوئی جب حرام مال کمائے اور پھر اس کو کسی کام میں خرچ کرے تو اس میں کبھی بھی برکت نہیں ہو گی اور اگر اس کو صدقہ کرے تو کبھی بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہو گا اور اگر حرام مال کمایا اور مر گیا اس کو میراث کی شکل میں اپنے پیچھے چھوڑا تو وہ اس کے لئے جہنم کا زاد راہ یعنی خرچہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کبھی گناہ سے گناہ کو محو نہیں کرتے۔ یعنی کبھی گناہ کے ذریعے نیکی نہیں ملتی

ہے۔ گناہ محو اور معاف ہوتے ہیں نیک اعمال کرنے سے اور حرام کبھی حرام کو محو اور معاف نہیں کرتا یعنی حرام مال کبھی معافی کے لئے ذریعہ نہیں بن سکتا۔

(رواہ احمد من طریق ابان بن اسحاق)

یہ مذکورہ حدیث ہر پڑوسی کے لئے باعث نصیحت ہونی چاہئے تاکہ اس کو سامنے رکھ کر وہ اپنے پڑوسی کے حقوق کو پورے طور پر ادا کر سکے جس کے ذریعے سے اس کا ایمان کامل اور مکمل ہوگا اور پڑوسی کے ساتھ احسان و اکرام بھی ہوگا۔ جیسے کہ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی سے خود آدمی کا ایمان بھی کامل ہوتا ہے اور پڑوسی کے ساتھ احسان و اکرام کے حکم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھائی اور احسان کر اپنے پڑوسی کے ساتھ تم مومن بن جاؤ گے۔

ہر مومن عورت پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عزت و اکرام کا خیال کرے اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر کی غیر موجودگی میں پڑوسی یا کسی اور اجنبی یا کسی بھی غیر محرم شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے تاکہ شیطان کو شکوک و شبہات ڈالنے کا موقعہ نہ ملے اور میاں بیوی کا خوشیوں سے بھرا گھر شکوک و شبہات کی بھینٹ نہ چڑھے اور نوبت علیحدگی تک۔ غرض اگر احکام شرعی کی رعایت رکھی جائے تو میاں بیوی کی محبت اور ان کا تعلق ہمیشہ رہے گا

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نیک و صالحہ اور فرمانبردار بیوی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کے بعد مسلمان کو کوئی اتنی بڑی نعمت نہیں دی گئی ہوگی جو نیک اور صالح بیوی سے بڑھ کر ہو۔ نیک اور صالح بیوی وہ ہے کہ اگر شوہر مومن اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اگر شوہر اس کو دیکھے تو خوش ہو اگر اس پر قسم اٹھالے کہ میرا فلاں کام ضرور کرے گی یا فلاں کام نہیں کرے گی تو وہ شوہر کی قسم کو پورا کرے اور اگر شوہر کہیں غائب ہوجائے تو وہ شوہر کی خیر خواہی کرتی ہے اپنے نفس اور شوہر کے مال کے بارے میں یعنی نہ خود اپنے نفس میں خیانت کرتی ہے اور نہ شوہر کا مال لٹاتی ہے بلکہ دونوں کی حفاظت کرتی ہے۔

(رواہ ابن ماجہ)

اطاعت سے مراد ان امور میں اطاعت کرنا جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی نہ



ہوتی ہو اس لئے کہ جن کاموں کے کرنے یا نہ کرنے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے ان میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے چاہے جو بھی ہو۔ بیوی کو دیکھ کر خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی شوہر کی نظر اس پر پڑے تو شوہر خوشی محسوس کرے یعنی وہ ہمیشہ ہنس مکھ صاف رہنے والی اور اچھی عادات کی مالک ہوتی ہے شوہر جب بھی اس کو دیکھتا ہے اس کو ظاہری اور باطنی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ قسم پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر لوگوں کے سامنے کہہ دے کہ میری بیوی فلاں کام کرے گی یا نہیں کرے گی تو وہ شوہر کی توقعات پر پورا اترے اور اس کی توقع کے خلاف کوئی کام نہ کرے بلکہ جیسے شوہر کی منشا ہو وہ اس کے مطابق کرے اور شوہر کی خلاف ورزی نہ کرے تاکہ وہ ناراض اور لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہو۔ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں اپنے گھر سے بغیر ضرورت کے نہیں نکلتی ہے اور نہ کسی اجنبی اور غیر محرم کو شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دیتی ہے اور اس کی غیر موجودگی میں کسی ایسے شخص کو اس کے بستر پر نہیں لاتی جس کو وہ ناپسند کرتا ہو یعنی کسی کو بھی نہیں بلاتی ہے کیونکہ شوہر اپنے سوا سب کو اپنے بستر پر بلانا پسند نہیں کرتا چاہے وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں بشرطیکہ شوہر اسلامی غیرت کا مالک ہو گویا بیوی شوہر کی غیر موجودگی میں اس حال پر رہتی ہے جو شوہر کو پسند و محبوب ہو، اور شوہر کے مال میں خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے اور اگر تجارت وغیرہ ہو تو اس کی نگرانی کر کے مال بڑھاتی ہے اور بقدر ضرورت خرچ کرتی ہے اسراف اور فضول خرچی نہیں کرتی ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں اب ہم پوری تائید و دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی اور اس کا اکرام یہ خود آدمی کے ایمان کا مسئلہ ہے کیونکہ ایمان ہی امن و محبت کی بنیاد ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ جب ایمان ضائع ہو جائے تو امن ختم ہو جاتا ہے اور اگر دین اسلام اور اس کے احکام سالم و قائم نہ رہے تو دنیا بھی نہیں رہے گی اس لیے کہ دنیا میں مومن اور ایمان ہی نفع پہنچانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لئے حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے "کہ مومن جب حقیقتاً کامل ایمان والا ہو تو وہ نفع اور فائدہ پہنچانے کا ذریعہ ہے اگر آپ اس سے مشورہ کریں گے تو وہ خیر خواہی اور فائدے کا مشورہ دے گا، اگر آپ اس سے

معاملات تجارت وغیرہ میں شرکت کریں تو وہ بھی آپ کو نفع پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ اگر آپ اس کے ساتھ راستے پر چلیں تو وہ آپ کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ مومن کے تمام امور دوسرے کے لئے باعث فائدہ ہوتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کامل مومن وہ ہے کہ لوگ اس کے ظلم و زیادتی سے اپنے آپ کو اپنی عزتوں کو اور اپنے اموال کو محفوظ سمجھیں یعنی لوگوں کو اس سے یہ ڈر نہ ہو کہ یہ ہماری بے عزتی کرے گا۔ ہمارے جان و مال کو نقصان پہنچائے گا۔

ایمان حسن اخلاق کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ نبی اکرم ﷺ کا اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان میں کامل ایمان والا وہ شخص ہے کہ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے بہتر وہ ہے کہ جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

(رواہ ابو داؤد والترمذی)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان فقط نماز روزہ زکوٰۃ و حج کا نام ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں کہ پڑوس اور معاشرے میں ان کا رویہ کیسے ہونا چاہئے اور اس عمل کو بھی ایمان کی ساتھ کوئی تعلق ہے کہ نہیں اس قسم کے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہو گا کہ ایمان صرف ان چند ارکان و عبادات کا نام نہیں بلکہ اخلاق اور معاشرتی حسن سلوک کا بھی ایمان سے گہرا تعلق ہے اور یہ کہ پڑوسی کو تکلیف پہنچانا کتنا بڑا گناہ ہے تاکہ جو لوگ اس قسم کے گناہ میں مبتلا ہیں وہ نصیحت حاصل کر لیں۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ فلاں عورت نمازیں بھی بہت پڑھتی ہے، صدقہ بھی دیتی ہے نفلی روزے بھی بہت رکھتی ہے البتہ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ باوجود ان اعمال کے اگر وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو جہنم میں جائے گی۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ ایک اور عورت ہے جو صرف فرض نماز پڑھتی ہے اور فرض روزے رکھتی ہے۔ صدقہ بھی کم دیتی ہے صرف پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے البتہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ



وہ جنت میں جائے گی۔

بعض روایات میں یوں منقول ہے کہ آپ ﷺ سے لوگوں نے کہا کہ فلاں عورت دن کو نفل روزہ رکھتی ہے اور رات کو تہجد و نوافل پڑھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو ایذاء و تکلیف بھی پہنچاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گی۔ پھر لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت صرف فرض نماز پڑھا کرتی ہے اور پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے یعنی ادائیگی فرض کے علاوہ نیک اعمال نہیں کرتی ہے البتہ اپنی پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہوگی۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے پڑوس کے متعلق شکایت کی کہ وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سامان اپنے گھر سے نکال کر راستے میں ڈال دے جب اس نے سامان گھر سے نکال کر راستے میں ڈال دیا تو گذرنے والے لوگ پوچھتے تھے کہ کیوں ایسا کیا ہے وہ بتا دیا کرتا تھا کہ پڑوسی کی ایذا و تکلیف کی وجہ سے تو لوگ اس پڑوسی پر لعن طعن کرتے چنانچہ اس پڑوسی نے آکر نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ لوگ مجھ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے طعن سے پہلے تجھ پر لعنت کی ہے کیونکہ تم اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں آیندہ ایسا نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس پڑوسی کو کہا کہ اب اپنا سامان راستے سے اٹھالے اللہ تعالیٰ نے تجھے اب اس کے شر و تکلیف سے نجات دے دی۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ آپ نے شکایت کرنے والے سے کہا کہ اپنا سامان راستے کے درمیان میں رکھ دے چنانچہ اس نے سامان راستے کے عین وسط میں رکھ دیا۔ جب لوگ راستے پر گذرتے تو اس سے پوچھتے کہ کیا ہوا کیوں سامان گھر سے نکال کر راستے میں رکھا ہے؟ وہ کہتا کہ میرا پڑوسی مجھے تنگ کرتا ہے یہ سن کر ہر گذرنے والا اس کو بدعا دیا کرتا۔ جب اس کے پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا کہ سامان گھر میں رکھ دے۔ اب میں تجھے کبھی بھی تکلیف و ایذا نہیں دوں گا۔

سنن ابو داؤد صحیح ابن حبان مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اپنے پڑوسی کی

شکایت کرنے لگا کہ وہ مجھے تکلیف اور تنگ کرتا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ پڑوسی کی تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کر، اللہ تعالیٰ اجر دیں گے۔ چنانچہ وہ چلا گیا لیکن جب اس کی تکالیف حد سے بڑھیں تو پھر دوسری یا تیسری مرتبہ آیا اور شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھر سے اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دو۔ چنانچہ اس نے آپ کے اس مشورے پر عمل کیا اور اپنا سامان باہر نکال کر راستے میں رکھا۔ راستے پر گذرنے والے لوگ پوچھتے کہ کیا ہوا کیوں سامان باہر نکال کر رکھا ہے؟ وہ بتاتا کہ پڑوسی کی تکالیف سے تنگ آچکا ہوں چنانچہ لوگ اس پڑوسی پر لعن طعن کرتے اور بددعا دے کر کے چلے جاتے۔ جب پڑوسی نے یہ صورت حال دیکھی تو آکر کہا کہ سامان واپس گھر میں رکھ دے اب انشاء اللہ تم مجھ سے کوئی ایسی حرکت نہیں دیکھو گے جس سے تمہیں تکلیف ہو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ پڑوسی کے ساتھ احسان کرنے کی کتنی ترغیب دیا کرتے تھے اور لوگوں کو کس طرح پڑوسی کو تکلیف دینے سے ڈراتے اور روکتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ حدیث بھی مدنظر رہے جو پہلے بھی گذر چکی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل بار بار مجھے پڑوسی کے حقوق اور اس کے ساتھ احسان کرنے کے متعلق وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ بار بار کی وصیت اور تاکید سے مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو وارث نہ بنادیں۔

لہذا اب ان احادیث کی روشنی میں اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اچھا احسان کرنے والا پڑوسی بنے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اجر کا مستحق بن سکے اور پڑوسیوں کے ان حقوق کی ادائیگی کی فکر کریں جن کی نشاندہی احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے کی ہے۔ اب ہم پڑوسی کے حقوق کے متعلق اس اصل حدیث کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو کتاب کی ابتداء میں نقل کی گئی تھی اور جس میں پڑوسی کے حقوق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کے کیا حقوق ہیں؟ پھر خود جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب وہ تجھ سے مدد مانگے تو تم اس کی مدد کرو۔

## پڑوسی کے حقوق

پڑوسی کی حقوق میں پہلا حق یہ ہے کہ جب تیرا پڑوسی کسی معاملے میں عاجز ہو کر تم



سے مدد طلب کرے تو ایک مسلمان اور مومن پڑوسی کی حیثیت سے تم پر لازم ہے کہ تم اس کی مدد کرو۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسلمان بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں کی طرح ہے کہ ایک ہاتھ دوسرے کو دھولیتا ہے یعنی ہاتھوں کو صاف کرنے اور دھونے میں دونوں ہاتھ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے۔ ایک اور حدیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کسی قسم کا جائز نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ضرور اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے۔ یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا۔ انسان نہیں ہے (چاہے وہ مال و دولت یا دنیوی جاہ و منصب کے اعتبار سے کتنا بھی اونچا منصب کیوں نہ رکھتا ہو، جو دوسرے لوگوں کی مدد سے مستغنی اور بے پرواہ ہو۔ بلکہ ہر آدمی کسی نہ کسی درجے میں ضرور کسی دوسرے کا محتاج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں وصف احتیاج ضرور رکھا ہے۔ یہ انسان کا ذاتی وصف ہے۔ کسی بھی درجے میں عدم احتیاج صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دعا کرتے سنا وہ اپنی دعا میں کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے لوگوں سے مستغنی کر دے کہ میں کسی کا محتاج نہ رہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی! تم جانتے ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہاں! میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے کسی کا محتاج نہ بنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی موت کی دعا کر رہے ہو، اس لئے کہ آدمی جب تک زندہ ہے وہ لوگوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر آدمی ضرور اپنی زندگی میں کسی نہ کسی درجے میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ بلکہ موت کے بعد بھی آدمی دوسرے کی دعاؤں کا محتاج ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا پھر میں کیسے دعا مانگوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہو کہ "اے اللہ! مجھے بُرے لوگوں کا محتاج مت بنا اور ان سے مجھے غنی رکھ۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ بُرے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بُرے لوگ وہ ہیں کہ جب کسی کو کچھ دے دیں یعنی مدد کریں تو بعد میں احسان جتلائیں اور اگر نہ دیں تو بھی عیب جوئی کریں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم میں سے ہر آدمی کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہم میں سے ہر آدمی دوسرے کا (خصوصاً اپنے پڑوسی کا)

محتاج ہے اور خود اپنی ذات کی حد تک ہر انسان ناقص ہے۔ اس کی تکمیل دوسرے مسلمان خصوصاً دوسرے پڑوسی کے ساتھ مل کر ہوتی ہے۔ جیسے ایک عربی شاعر نے کہا ہے،

الناس للناس من بدو و حاضرة

بعض بعض وان لم يشعرو اخدم

"ہر آدمی چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی دوسرے کا خادم ہے اگرچہ اس کو اس کا احساس نہ ہو۔"

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "سب لوگوں میں بہتر و افضل وہ آدمی ہے جو دوسروں کو زیادہ نفع پہنچائے۔ حقیقی دوست بھی وہ ہے جو بوقت مصیبت اپنے دوست کی مدد کرے جیسے کسی فارسی شاعر نے کہا ہے کہ،

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست

در پریشاں حالی و درماندگی!

چنانچہ عرب کے مشہور عقلمند اور دانا علقمہ بن لبید سے منقول ہے کہ جب وہ موت کے قریب اپنے بیٹے کو وصیت کر رہا تھے تو کہا اے بیٹے! اگر تمہیں کسی کی صحبت اور دوستی کی ضرورت ہو تو ایسے لوگوں سے دوستی کر کہ ان کی دوستی سے تجھے عزت حاصل ہو اور اگر تمہیں کوئی تکلیف و مصیبت پیش آئے تو وہ تیری مدد کریں، اور اگر تو کسی مجلس میں بات کرے تو وہ تیری تائید کریں اور اگر حملہ کرے تو وہ تیرے لئے تقویت کا باعث بنیں اور اگر تجھ میں کوئی خلل اور نقص ظاہر ہو تو وہ اس کو پورا کریں، اور اگر تجھ میں کوئی اچھائی دیکھیں تو ظاہر کریں، اگر تو ان سے ضرورت کے وقت کچھ مانگے تو وہ تجھے دیدیں اور تجھ پر کوئی ناگہانی آفت یا مصیبت آئے تو وہ تجھے تسلی دیں۔ ایسے آدمی کو دوست بناؤ کہ جس کی طرف سے تجھ پر ہلاکت نہ آئے اور ان کی طرف سے تجھ پر راستے کا اختلاف نہ ہو یعنی تجھ سے اختلاف نہ کریں۔

ایک عربی شاعر نے کہا ہے کہ بے شک تیرا حقیقی دوست وہ ہے جو ہر حال میں تیرے ساتھ ہو خود تکلیف و نقصان برداشت کر کے تجھے نفع پہنچائے۔ اگر آفات زمانہ سے تیرے حالات پراگندہ ہو جائے تو ہو تیرے حالات کو جمع کرنے یعنی تیری حالت سنوارنے میں



تیری مدد کرے۔

اگر کسی آدمی کو ایسا دوست مل جائے جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہو، خصوصاً جب کہ وہ پڑوسی بھی ہو اور اپنے پڑوسی کے حقوق کی رعایت کرنے والا ہو تو پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بہترین پڑوسی اور بہترین دوست ہوگا جو بہت خوش قسمت آدمی کو میسر آئے گا۔

## اچھے دوست کی صفات:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اچھا دوست اور پڑوسی وہ ہوتا ہے جس میں مندرجہ ذیل صفات موجود ہیں۔

(١) دوست کی لغزشوں کو معاف کرے

(٢) اس کے آنسوؤں پر رحم کھائے

(٣) اس کی ستر پوشی کرے۔

(٤) اس کی ٹھوکر یعنی لغزش سے درگزر کرے

(٥) اس کی معذرت قبول کرے۔

(٦) دوست کی غیبت اگر ہو رہی ہو تو اس کو روک دے۔

(٧) ہمیشہ اس کے ساتھ رہے۔

(٨) دوستی کی حفاظت کرے۔

(٩) دوست کی ذمہ داری کی رعایت کرے یعنی اس کو پورا کرے۔

(١٠) بیماری میں اس کی عیادت کرے۔

(١١) اگر دوست کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں حاضر ہو۔

(١٢) اگر وہ دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرے۔

(١٣) اگر وہ کوئی ہدیہ اور تحفہ دے تو اسے قبول کرے۔

(١٤) اگر وہ کوئی اچھائی اور احسان کرے تو یہ اس کا اچھا بدلہ دے۔

(١٥) اگر دوست کی طرف سے کوئی نعمت ملے تو اس کا شکریہ ادا کرے۔

(١٦) اگر اس کو ضرورت ہو تو اس کی مدد کرے۔

(١٧) دوست کی حرمت، گھر اور اس کی عزت کی حفاظت کرے۔

(۱۸) اس کی جائز ضرورتوں کو پورا کرے۔

(۱۹) اس کی جائز سفارش کو قبول کرے۔

(۲۰) اس کی طلب اور مانگ میں اس کو ناامید نہ کرے۔

(۲۱) دوست کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو یہ جواب میں یرحمک اللہ کہدے۔

(۲۲) اگر دوست کی کوئی چیز گم ہو جائے اور اس کو معلوم ہو یا معلوم نہ ہو تو اس کی تلاش میں مدد کرے۔

(۲۳) اس کے سلام کا جواب دے۔

(۲۴) اس کی اچھی بات کی تائید تعریف کرے۔

(۲۵) اگر ان میں سے کوئی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم اٹھائے تو دوسرا اس کی قسم کو پورا کرنے کے لئے کوشش کرے۔

(۲۶) اس کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرے اور اس کی تمناؤں کو پورا کرے۔

(۲۷) ہر حال میں دوست کی مدد کی جائے چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد یہ ہوگی کہ اس کو ظلم کرنے سے روکے۔

(۲۸) اس سے سوالات و دوستی کا تعلق ہمیشہ رکھے اور دشمنی و عداوت نہ رکھے۔

(۲۹) دوست دوسرے دوست کے لئے بھی وہ چیزیں اور باتیں پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور دوست کے لئے بھی وہ کچھ ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔

## حسن اخلاق کی تعریف:

بعض علما کرام سے پوچھا گیا کہ حسن اخلاق کی تعریف کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ حسن اخلاق کی علامات یہ ہیں۔

(۱) انسان حیا کرنے والا ہو بے حیا نہ ہو۔

(۲) دوسروں کو تکلیف پہنچانے والا نہ ہو۔

(۳) نیک ہو۔

(۴) بے ضرورت گفتگو نہ کرتا ہو۔

(۵) عمل زیادہ کرتا ہو۔

(۶) اس کی لغزشیں کم ہوں۔



(۷) فضول باتوں اور کاموں میں مشغول نہ رہتا ہو۔

(۸) پاک دامن ہو۔

(۹) شفقت کرنے والا ہو۔

(۱۰) لعن طعن کرنے والا نہ ہو۔

(۱۱) گالیاں دینے والا نہ ہو۔

(۱۲) چغل خوری کرنے والا نہ ہو۔

(۱۳) غیبت کرنے والا نہ ہو۔

(۱۴) بخیل نہ ہو۔

(۱۷) حسد کرنے والا نہ ہو۔

(۱۸) ہشاش بشاش رہتا ہو۔

(۱۹) کسی سے محبت کرتا ہو تو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے لئے اور اگر کسی سے بغض رکھتا ہو تو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔

(۲۰) اللہ ہی کے لئے خوش ہوتا ہو اور اللہ ہی کے لئے ناراض ہوتا ہو۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حسن اخلاق کی علامت یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی ایذاء کو برداشت کرے اور دوسروں کی ناراضی او جفا کو بھی سہہ لے۔ جو آدمی دوسروں کی بد اخلاقی برداشت کر کے صبر نہ کر سکتا ہو وہ خود بد اخلاق ہو جاتا ہے۔ ان مذکورہ بالا صفات حسنہ کی روشنی میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان صفات کا حامل بن کر اپنے پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے۔

اگر کوئی پڑوسی کسی ظلم کے خلاف یا کسی ٹیکس کے ازالے کے لئے یا اصلاح کے لئے مدد طلب کرے تو ہر اس مسلمان پڑوسی پر جس میں استطاعت و طاقت ہو ان امور میں پڑوسی کی مدد کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر مدد کرنے میں کسی دوسرے مسلمان کے حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا دوسروں پر ظلم ہوتا ہو تو اس طرح کسی کی مدد کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی پڑوسی آپ سے یہ کہے کہ دوسرے پڑوسی کے خلاف یا کسی اور مسلمان کے خلاف کوئی کام کر، تو اس صورت میں اس کا ساتھ دیکر دوسرں کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں ایسی صورت میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے جیسے کہ ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کر چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ مظلوم ہونے کی صورت میں تو اس کی مدد کروں گا اگر ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کس طرح کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے سے اس کو روک دو۔ یہ اس کی مدد ہے۔

(رواہ البخاری)

قرآن کریم میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ۔

لاخیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس۔

"کچھ اچھے نہیں ان کے اکثر مشورے مگر جو کوئی کہے صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں میں"

(سورۃ النساء آیت ۱۱۴)

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے عمل کی تعریف کی ہے ایک اور آیت میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔

فاتقو اللہ واصلحوا ذات بینکم۔ "پس اللہ سے ڈرو اور صلح کرو آپس میں"

(سورۃ الانفال آیت ۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم۔

"مسلمان آپس میں بھائی ہیں پس صلح کرواپنے دو بھائیوں میں"

(سورۃ الحجرات آیت ۱۰)

اسی طرح احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ سے بھی صلح اور امور خیر کی ترغیب منقول ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان پر ہر روز اس کے مختلف اعضاء اور جوڑوں کے شکرانے میں صدقہ ہے۔ جب آدمی دو مسلمانوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرتا ہے یا صلح کرتا ہے تو یہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اگر کسی کا سامان اٹھا کر اس کی سواری پر رکھتا ہے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اگر اچھی بات کرتا ہے تو یہ بھی صدقہ ہے اور ہر قدم جو مسجد کی طرف جانے کے لئے اٹھاتا ہے تاکہ نماز پڑھے یہ بھی صدقہ ہے اگر راستے سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹاتا ہے تو یہ بھی صدقہ ہے (متفق علیہ)



اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل ارشاد ہر وقت ہر جگہ اور ہر حالت میں مدنظر رکھنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے۔

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔

"ایک دوسرے کی مدد کرو نیک کام اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے"

(سورۃ المائدہ آیت ۲)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بالفرض انتقام میں زیادتی کر بیٹھے تو اس کے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ سب مسلمان اس کے ظلم و عدوان کی اعانت نہ کریں۔ بلکہ سب مل کر نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کریں اور اس قسم کے اشخاص کی زیادتیوں اور بے اعتدالیوں کو روکیں اور یہ کہ انصاف پسندی اور تمام عمدہ اخلاق کی جڑ خدا کا خوف ہے اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈر کر نیکی سے تعاون اور بدی سے ترک تعاون نہ کیا گیا تو عام عذاب کا اندیشہ ہے۔

# قرض حسنہ کے فضائل واحکام

قرض ہر اس نیک عمل کو کہا جاتا ہے۔ جس پر آدمی اچھے بدلے کی امید رکھے۔

حدیث نبوی میں قرض سے مراد وہی معنی ہیں جس کو عام لوگ اپنی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں کہ اگر کسی انسان کو کوئی ضرورت پیش آئے اور وہ اپنے وسائل سے اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو تو وہ اس ضرورت و حاجت کو پورا کرنے کے لئے اپنے کسی دوست یا پڑوسی سے کچھ مال وغیرہ قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرلے اور پھر جو مدت اس کی ادائیگی کے لئے مقرر ہوئی ہو اس مدت میں اس کو واپس کر دے یا پھر آسانی کے ساتھ جب چاہے واپس کر دے۔

انیس الجلیس نامی کتاب میں ہے کہ یہ قرض دینا بامروت اور متقی لوگوں کا شیوا ہے کیونکہ بعض دفعہ قرض ہی کے ذریعے آدمی اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے اور مصیبتوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔ بعض مواقع پر آپ کے دوست یا پڑوسی یا اہل وعیال کے سردی

یا گری اور عید وغیرہ کی کپڑوں کے لئے محتاج ہوتے ہیں یا ان پر کسی کا قرض ہوتا ہے۔ جس کی ادائیگی کا انہوں نے وعدہ کر رکھا ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت ان کے پاس ادائیگی کے لئے وسائل نہیں ہوتے یا کوئی اچانک حادثہ پیش آتا ہے جس کا خرچ برداشت کرنا ان کی استطاعت میں نہیں ہوتا۔ غرضیکہ وہ مفلس ہوتے ہیں تو وہ قرض حاصل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ قرض حاصل کر کے وہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کر سکیں تو اگر آپ قرض دینے کی قدرت رکھتے ہوں اور آپ نے اسے قرض دے دیا یا اس کی ضرورت کی مقدار میں اس پر صدقہ کر دیا۔ دونوں صورتیں باعث اجر و ثواب ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقہ کرنے کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گنا ملتا ہے۔ میں نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ قرض کا ثواب صدقہ سے افضل اور زیادہ کیوں ہے؟ فرمایا اس لئے کہ بعض دفعہ مانگنے والا بلا حاجت بھی مانگتا ہے جب کہ اس کو ضرورت نہیں ہوتی جیسے پیشہ ور بھکاری، لیکن قرض مانگنے والا قرض اس وقت مانگتا ہے جب اس کو ضرورت ہو، تو قرض مانگنے والا زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

ایک اور روایت میں قیس بن رومی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ سلیمان بن اذنان نے علقمہ کو اس کے سرکاری وظیفے تک ایک ہزار روپے قرض دیئے۔ جب علقمہ کا سرکاری وظیفہ ملا تو سلیمان نے شدید تقاضہ کر کے اپنے قرض کا مطالبہ کیا۔ علقمہ نے قرض تو ادا کیا۔ لیکن اس قدر شدید تقاضا کرنے پر کچھ ناراض ہو گئے۔ کچھ مہینے گذرنے کے بعد پھر علقمہ کو ضرورت پیش آئی، سلیمان کے پاس جا کر پھر قرض مانگا سلیمان نے بہت خوشدلی سے پھر قرض دیا اور کہا کہ یہ وہی روپے ہیں جو آپ نے ادا کئے تھے ہم نے اب تک وہ تھیلی کھولی بھی نہیں، چنانچہ اپنی اہلیہ سے کہہ کر وہ تھیلی منگوائی تو وہ اسی حالت میں مہر لگی ہوئی پڑی تھی۔ گویا سلیمان کو ان کی ضرورت نہ تھی اس لئے نہ تھیلی کھولی نہ اس میں سے ایک درہم خرچ کیا۔ علقمہ کو تعجب ہوا اور پوچھا کہ جب آپ کو ضرورت نہیں تھی تو پھر آپ نے مجھ سے اسقدر شدید تقاضا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ ایک حدیث کی وجہ سے جو میں نے آپ سے سنی تھی، علقمہ نے پوچھ آپ نے مجھ سے کیا سنا



تھا؟ سلیمان نے کہا کہ آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مجھے سنائی تھی کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو دو دفعہ قرض دیتا ہے تو وہ ایک دفعہ صدقہ کرنے کا ثواب حاصل کر لیتا ہے۔ میں نے بھی اس لئے تقاضا کیا تھا کہ مجھ سے دوبارہ قرض طلب کریں۔ اور مجھے صدقہ کرنے کا ثواب ملے۔

"انیس الجلیس" میں مصنف نے لکھا ہے کہ پہلے (ماضی قریب تک کے) زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مواسات اور ہمدردی کیا کرتے تھے۔ جب کسی پڑوسی کو اپنے دوسرے پڑوسی کی تکلیف اور ضرورت کا احساس ہوتا تھا تو بغیر مانگے وہ اس کی حاجت اور ضرورت پورا کیا کرتا تھا۔ اسی طرح جب کسی کو یہ معلوم ہوتا کہ اس کا کوئی دوست ضرورت مند ہے تو وہ ہر طرح یعنی جانی اور مالی مدد کیا کرتا اور اس کی ضرورت کو پورا کیا کرتا تھا۔ ہر آدمی دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا کرتا تھا اور یہی سمجھتا تھا کہ دوسرا مسلمان بھائی میرے بدن کا حصہ ہے۔ اس لئے لوگ محبت اور احسان کی زندگی گزارتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی تعریف کیا کرتے تھے عزت کی زندگی بسر کرتے تھے اور عزت کی موت مرجایا کرتے لیکن اب ہر آدمی اپنے نفع کی سوچتا ہے اور کوئی کسی کو قرض نہیں دیتا، البتہ اگر قرض دینے میں اپنا کوئی نفع اور فائدہ ہو تو پھر انکار نہیں کرتا، حالانکہ ہر وہ قرض جس سے دینے والے کو مادی فائدہ حاصل ہوتا ہو، وہ سود ہے، اس لئے قرض دینے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے قرض کے بدلے مقروض سے کوئی ہدیہ وصول کرے یا اس سے کوئی خدمت یا قرض کے بدلے کوئی اور نفع حاصل کرے۔ چنانچہ جیسے اپنے قرض سے زائد رقم وصول کرنا جائز نہیں بلکہ زیادہ لے لیا تو وہ سود شمار ہوگا اور اس کی وجہ سے قیامت میں عذاب کا مستحق بنے گا اسی طرح قرض پر نفع حاصل کرنا بھی سود شمار ہوگا۔

قرض حسنہ اس قرض کو کہا جاتا ہے۔ جس میں قرض دینے والا مقروض کو تکلیف بھی نہ پہنچائے اور قرض دینے کی وجہ سے اس پر احسان بھی نہ جتلائے اور قرض پر کوئی دنیاوی فائدہ بھی حاصل نہ کرے۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ جس کو قرض دیا کرتے تھے اس کی دیوار کے سائے میں بھی نہیں بیٹھا کرتے تھے کیونکہ وہ اس

کو بھی سود سمجھتے تھے۔ اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ جس کو قرض دیا جائے ان کے ہاں آمدورفت بھی نہ رکھے۔ تاکہ کھانے پینے کی نوبت نہ آئے اس لئے کہ یہ بھی سود ہوگا، ہاں البتہ اگر قرض دینے سے پہلے بھی ان کے ہاں بکثرت آنا جانا تھا تو پھر جائز ہے، لیکن احتیاط پھر بھی یہی ہے کہ ان کے ہاں کچھ کھائے پیئے نہیں، تاکہ سود کا شبہ بھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی نے آپ سے قرض لیا تو پھر اس سے خدمت لینا اور اپنے کام کروانا جائز نہیں ہے اسی مناسبت سے ذیل میں ایسی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن سے سود کے گناہ عظیم ہونے کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ سات ہیں۔

(۱) شرک کرنا
(۲) ناحق کسی کو قتل کرنا
(۳) ناحق اور ناجائز طریقے سے یتیم کا مال کھانا
(۴) سود (۵) کفار کے مقابلے میں جہاد سے بھاگ جانا
(۶) پاک دامن عورت پر جھوٹی تہمت لگانا۔
(۷) مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ دیہات کی طرف جاکر دیہاتی زندگی اختیار کرنا۔

(رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد و نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہلاکت میں ڈالنے والے سات بڑے گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا وہ سات بڑے گناہ کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا
(۲) کسی ایسے شخص کو ناحق قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔
(۳) سود کھانا
(۴) ناحق یتیم کا مال کھانا



(۵) جہاد میں کفار سے مقابلے کے وقت پشت پھیر کر بھاگ جانا۔
(۶) پاک دامن مومنہ عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

(رواہ البخاری و مسلم و ابوداؤد النسائی)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، (جن کو شہادت کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا) سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص جانتے ہوئے سود کا ایک روپیہ بھی کھالے تو اس کا گناہ چھتیس (۳۶) دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر ورجال الصحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں زنا اور سود ظاہر ہو جاتا ہے (یعنی عام ہو جاتا ہے) تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب کی مستحق بن جاتی ہے۔

قرض لینے اور قرض والے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیان کردہ یہ احکام مدنظر رکھنے چاہئے جو سورۃ البقرہ آیت ۲۷۵ تا ۲۸۱ پارہ ۳ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان آیات کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے قیامت میں مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں "جن" نے لپٹ کر، یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انھوں نے کہا کہ خرید و فروخت بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت یعنی خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے پس جس کو نصیحت پہنچی اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالہ ہے اور جو کوئی پھر سود لے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"

تشریح: مطلب یہ کہ سود کھانے والے قیامت کو قبروں سے ایسے اٹھیں گے۔ جیسے آسیب زدہ مجنون اور یہ حالت اس واسطے ہوگی کہ انھوں نے حلال و حرام کو یکساں کر دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے، دونوں کو حلال کہا، حالانکہ بیع اور سود میں بڑا فرق ہے۔ بیع کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ بیع میں جو نفع ہے وہ مال کے مقابلے میں ہوتا ہے جیسا کہ کسی نے دس روپے میٹر کا کپڑا پندرہ

روپے میں فروخت کیا اور سود وہ ہوتا ہے جس میں نفع بلا عوض ہو، جیسے کہ ایک روپے سے دو روپے خرید لے، اول صورت میں چونکہ کپڑا اور روپیہ دو علیحدہ علیحدہ قسم کی چیزیں ہیں اور نفع اور عوض ہر ایک کی جنس دوسرے سے الگ ہے اس لئے ان میں فی نفسہ موازنہ اور مساوات غیر ممکن ہے۔ اس لئے بیع و شرا کی ضرورت کے باعث ہر شخص کی اپنی اپنی ضرورت کے موافق ہی نفع و عوض میں موازنہ کیا جائے گا، اور ضرورت و رغبت ہر ایک کی ازحد مختلف ہوتی ہے کسی کو ایک روپیہ کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ بہت زیادہ کپڑے کی بھی اس قدر نہیں ہوتی تو اگر کوئی شخص دس روپے کے کپڑے کو ایک روپے میں خریدے گا تو اس میں بھی نفع عوض کے بغیر نہیں ہے۔ اگر بالفرض اس دس روپے کے کپڑے کو ایک ہزار روپے میں بھی خریدے گا تب بھی اس میں سود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فی حد ذاتہ تو ان میں موازنہ اور مساوات ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے لئے اگر پیمانہ ہے تو وہ ہے اپنی اپنی رغبت اور ضرورت اور اس میں اتنا تفاوت ہے کہ خدا کی پناہ، اس لئے اس میں سود متعین نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ایک روپے کو دو روپے کے عوض فروخت کرے گا تو یہاں فی نفسہ مساوات ہو سکتی ہے۔ جس کے باعث ایک روپیہ دو روپے کے مقابلے میں متعین ہو گا اور دوسرا روپیہ عوض سے خالی ہو گا اس لئے وہ سود ہو گا اور شرعاً یہ معاملہ حرام ہو گا۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۷۶ میں ارشاد خداوندی ہے

یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت واللہ لایحب کل کفار اثیم۔

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو اور کسی گناہ کے کام کرنے والے کو"

یعنی اللہ سود کے مال کو مٹاتے ہیں، اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اصل بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ سود کا مال کتنا ہی بڑھ جائے انجام اس کا افلاس ہے اور خیرات کے مال کو بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس مال میں زیادتی ہوتی ہے اور اللہ برکت دیتا ہے۔ اور اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

آیات ۲۷۷ میں ارشاد ہے۔

ان الذین امنوا وعملو الصلحت واقاموالصلوۃ واتوالزکوۃ لھم اجرھم



عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

"بے شک ایمان لانے اور انہوں نے نیک کام کئے اور (بالخصوص) نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کا ثواب ہو گا، ان کے پروردگار کے نزدیک اور آخرت میں ان پر کوئی خطرہ نہیں ہو گا اور نہ وہ مغموم ہوں گے"

آیت ۲۷۸ میں فرمایا:

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مؤمنین۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو"

یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے سو لے چکے، لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا اس کو ہرگز نہ مانگو۔ یعنی سود کی حرمت سے پہلے جو تم نے سود لیا اس کو مالک کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا یعنی تم کو اس سے مطالبہ کا حق نہیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے اپنی رحمت سے اس کو بخش دے، لیکن حرمت کے بعد بھی اگر کوئی باز نہ آیا بلکہ برابر سود لیتا رہا تو وہ دوزخی ہو گا۔

آیت ۲۷۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولاتظلمون۔

"پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اشتہار سن لو جنگ کا، اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے (یعنی تم پر جہاد ہو گا) اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا"

یعنی پہلے سود جو تم لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل مال میں محسوب کریں اور اس میں سے کاٹ لیں تو تم پر ظلم ہے اور ممانعت کے بعد کا چڑھا ہوا سود اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہو گا۔

آیت ۲۸۰ میں قرض سے متعلق ارشاد ہے۔

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

"اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک، اور یہ (بات) کہ معاف ہی کردو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو (اس کے ثواب کی) خبر ہو"

جب سود کی ممانعت آگئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مفلس مقروض سے تقاضا کرنے لگو ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔

آیت ۲۸۱ میں ارشاد گرامی ہے۔

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ثم توفی کل نفس ما کسبت وھم لا یظلمون۔

"اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا (بدلہ) پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا"

یعنی قیامت میں جزاء اور سزا ملے گی تو اب اپنے متعلق فکر کر لو، اچھے کام کر دیا برے سود لے لو یا خیرات و صدقہ دے دو۔

ان آیات، احکام کی روشنی میں ہر قرض دینے والے پر لازم ہے کہ ان احکام پر عمل کرے اور ان کی خلاف ورزی نہ کرے، اسی طرح قرض دیتے ہوئے اور لیتے ہوئے اس حکم کو بھی مدنظر رکھے جو سورۂ بقرہ میں ان آیات مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ (الآیۃ)

"اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا، ایک میعاد معین تک (کے لئے) تو اس کو لکھ لیا کرو"

آیت سے معلوم ہوا کہ قرض کا معاملہ جائز ہے مگر چونکہ یہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے۔ بھول چوک اور نزاع کا احتمال ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا تعین اور اہتمام ایسا کیا جائے کہ آئندہ کوئی قضیہ اور اختلاف نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جس میں مدت کا تقرر ہوا اور دونوں معاملہ کرنے والوں کو نام اور معاملہ کی تفصیل سب باتیں صاف صاف کھول کر لکھی جائیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر مقروض ادائیگی قرض سے قبل فوت ہو جائے تو قرض دینے والے کا مال ڈوب نہ جائے اور وہ اس وثیقہ اور گواہوں کی گواہی سے اپنا حق مرنے والے کی میراث کی تقسیم



سے قبل وصول کر سکے جیسے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین۔ (سورۃ النساء)

"یعنی اگر میت کے بھائی ہیں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے وصیت اور ادا قرض کے بعد"

(سورۃ النساء)

یعنی جس قدر وارثوں کے حصے مقرر کئے جا چکے ہیں تو شرعاً یہ حصے وارثوں کو میت کی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد دیئے جائیں گے۔ وارثوں کا مال وہی ہوگا جو مقدار وصیت و قرض کے نکال دینے کے بعد باقی رہے گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان شخص کا انتقال ہو جائے تو سب سے پہلے اس کے مال سے اس کے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر اس پر قرض ہے تو اس کے مال سے قرض ادا کیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر اس نے وصیت کی تھی تو اس کے مال کے تیسرے حصے سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اور اگر مال کے تیسرے حصے سے وصیت پوری نہیں ہو سکتی، تو جتنی اس سے پوری ہو سکتی ہے وہ پوری کی جائے گی۔ اور باقی وصیت لغو ہو گی۔ البتہ اگر وصیت مال کے تیسرے حصے سے پوری نہیں ہو سکتی، لیکن سب وارث بالغ اور حاضر ہیں اور وہ اپنی رضا و خوشی سے تیسرے حصے سے زیادہ میں بھی وصیت پوری کرنا چاہیں تو جائز ہے۔ البتہ اگر کوئی غائب ہو یا نابالغ بچہ ہو تو، پھر جتنی وصیت تہائی مال سے پوری ہو سکتی ہے پوری کی جائے گی اور باقی لغو ہو گی۔ اسی طرح اگر وصیت ورثہ میں سے کسی کے لئے کی ہے تو وہ بھی شرعاً قابل اعتبار نہیں، البتہ اگر سب وارث بالغ و حاضر ہوں اور سب اپنی خوشی و رضا سے اس کے پورے ہونے کی اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں۔

مقروض پر لازم ہے کہ ادائیگی قرض کیلئے وصیت کرے کیونکہ اگر مقروض کی موت واقع ہو جاتی ہے تو قرض کی وجہ سے وہ جنت کے داخلے سے محروم و محبوس ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ مومن کی روح جنت میں داخل ہونے سے روک دی جاتی ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ کے پاس جب کسی مسلمان کا جنازہ لایا جاتا، تو آپ ﷺ جنازہ پڑھانے سے پہلے پوچھتے تھے کہ کیا اس پر قرضہ ہے؟ اگر لوگ بتاتے کہ قرضہ نہیں تھا تو پھر اس کی نماز جنازہ پڑھاتے

اور اگر خبر دی جاتی کہ اس پر قرض تھا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ کیا اس کی میراث میں اتنا مال ہے کہ جس سے قرض ادا کیا جائے اگر بتایا جاتا کہ نہیں تو پھر آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے لوگوں سے فرماتے کہ تم خود اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، یہ سارا اہتمام اس لئے کہ لوگ اسراف کرتے ہوئے بلا ضرورت قرض نہ لیں اور لوگوں کے اموال ضائع نہ ہوں۔ جب لوگ اپنا قرض معاف کر دیتے یا کوئی شخص ادائیگی قرض کی ذمہ داری لیے لیتا تو پھر نماز جنازہ پڑھاتے، پھر جب بیت المال میں مال آنے لگا تو اس قسم کے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی کی جاتی تھی اور آپ ﷺ سب کے نماز جنازہ پڑھاتے۔

حاتم اصم سے منقول ہے کہ جلد بازی کرنا شیطان کی خصلت ہے۔ البتہ پانچ چیزوں میں عجلت اور جلد بازی مسنون ہے۔ (۱) جب مہمان آئے تو اس کی ضیافت میں (۲) کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں (۳) باکرہ بالغہ لڑکی کی شادی کرنے میں جب ولی مناسب رشتہ مل جائے۔ (۴) قرض کی ادائیگی میں یعنی جیسے ہی ادائیگی قرض کی استطاعت ہو جائے تو وہ فوراً ادائیگی کرے۔ (۵) گناہ سے توبہ کرنے میں۔

## اسلامی اخوت کے حقوق و فرائض

حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لئے بمنزلہ بنیاد اور آبادی کے ہے کہ اس کے بعض حصوں سے بعض دوسرے حصوں کی مضبوطی ہوتی ہے یعنی جیسے کہ دیوار میں مختلف پتھر ہوتے ہیں ایک پتھر سے دوسرے پتھر کی مضبوطی ہو جاتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اہل ایمان کی ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و رحم، دوستی اور نرمی کرنے کی مثال اسی طرح ہے جیسے کہ جسد واحد کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی حصے بھی تکلیف میں رات جاگ کر گزارتے ہیں۔ مومن کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ تعاون و مدد کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس حدیث کا اہل بنا دے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ دوسرے مسلمان پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظلم کے حوالے کرے۔ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت براری میں مشغول ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ جس نے کسی مسلمان سے کوئی تکلیف ہٹائی تو اللہ



تبارک و تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے بدلے اس سے قیامت کی تکالیف آسان کر دیں گے۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیں گے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کے اندر وہ صفات آجائیں، جس کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں کیا ہے کہ

ایک دفعہ ایک آدمی جنگل میں جا رہا تھا کہ اس نے بادل سے ایک آواز سنی کہ جا فلاں کے باغیچے کو سیراب کر، چنانچہ وہ بادل اپنے مقام سے ہٹ کر کچھ دور گیا اور وہاں ایک زمین پر جس کے ارد گرد کالے پتھروں کی حد بندی تھی۔ پانی برسا دیا وہاں سے پانی ایک نالے میں جمع ہوا اور روانہ ہوا یہ آدمی بھی پانی کے پیچھے چلا، آگے جا کر دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغیچے اور کھیت میں کھڑا کھیت کو پانی سے سیراب کر رہا تھا۔ اس نے زمین والے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے اس نے اپنا نام بتایا تو یہ وہی نام تھا جو اس نے بادل کی آواز سے سنا تھا۔ زمین والے نے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟ اس نے بتایا کہ میں نے بادل سے ایک آواز سنی تھی، اس میں تیرا نام لے کر کہا گیا تھا کہ اس کی زمین کو سیراب کر اور یہ پانی جس سے تو اپنے کھیت کو سیراب کر رہا ہے، اسی بادل کا پانی ہے۔ لہٰذا مجھے بتاؤ کہ اللہ جل شانہ کے ہاں تمہاری مقبولیت کی کیا وجہ ہے؟ تم کیا عمل کرتے ہو؟ اس زمین والے نے بتایا کہ جب تمہیں راز معلوم ہو ہی گیا، اب باقی بات میں بتلائے دیتا ہوں وہ یہ کہ میری زمین سے جو پیداوار ہوتی ہے۔ اس کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں اور ایک تہائی میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لئے رکھتا ہوں اور ایک تہائی واپس زمین میں بو دیتا ہوں۔ اس عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ جب وہ فقیروں کی مدد کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے تھے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ میں نے کچھ لوگوں کو مالدار پیدا کیا ہے اور لوگ اپنی ضرورتوں کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون و محفوظ ہوں گے۔

(رواہ الطبری)

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ تبارک و تعالیٰ کی

رحمت و مدد کی امید میں ہر وقت اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی مدد میں ایک دوسرے سے سبقت کی کوشش کیا کرتے تھے اور ان میں ہر ایک ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ اس کی ذات سے دوسرے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے متعلق مروی ہے کہ اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ انہوں نے چار سو دینار ایک تھیلے میں بند کر کے اپنے غلام کے ہاتھ حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے اور غلام سے کہا کہ یہ رقم دینے کے بعد ان کے پاس کچھ دیر ٹھہرو اور دیکھو کہ وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ غلام وہ رقم لے کر ان کے پاس گئے، رقم دیکر عرض کیا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اس رقم کو اپنی حاجتوں میں صرف کیجیے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے رقم لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور فوراً اپنی خادمہ کو بلایا اور مختلف لوگوں کے نام بتلائے کہ فلاں کو اتنے دو، فلاں کو اتنے، یہاں تک کہ وہ ساری رقم تقسیم فرمادی۔ غلام نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی رقم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی، غلام کو اسی طرح ہدایت کی کہ رقم دینے کے بعد دیکھو کہ وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب غلام ان کے پاس رقم لے گئے تو انہوں نے بھی رقم قبول کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دعا دی اور رقم تقسیم فرما دی۔ غلام نے واپس آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھائی بھائی ہیں اور ان کی عادات بھی ایک جیسی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو جن کا نام عمیر بن سعید تھا حمص کا گورنر مقرر کیا تقریباً ایک سال گزرنے کے بعد ان کو واپس مدینہ بلایا۔ ایک دن اچانک وہ اس حال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہاتھ میں نیزہ تھا اور پیٹھ پر زاد راہ کا تھیلا اور کھانا کھانے کے برتن۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ عمیر تم ہمارے بلانے پر آئے ہو یا وہ علاقہ اچھا نہیں جو تمہیں پسند نہیں آیا؟ عمیر بن سعید نے عرض کیا امیر المومنین! اللہ جل شانہ نے بری بات کرنے اور بدگمانی سے منع فرمایا ہے، میں تو پوری دنیا کو اس کے لوازمات کے ساتھ لایا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم کیا لائے ہو؟ عمیر بن سعید نے کہا کہ ایک نیزہ ہے جس پر



چلتے ہوئے ٹیک لگاتا ہوں اور اگر کوئی دشمن مجھ پر حملہ آور ہو تو اس سے اپنا دفاع بھی کر سکتا ہوں اور ایک زاد راہ (یعنی سامان سفر رکھنے کا تھیلا) ہے جس میں کھانا وغیرہ رکھتا ہے اور ایک مشکیزہ ہے جس میں پینے اور وضو کے لئے پانی ہے اور ایک تھال ہے جس میں بوقت ضرورت پانی لے کر وضو اور غسل کرتا ہوں اور کھانا کھاتے وقت اس میں کھانا بھی کھالیتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ امیر المومنین خدا کی قسم اس کے بعد جو کچھ دنیا میں ہے وہ ان ہی چیزوں کے تابع ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبور مبارکہ کے پاس تشریف لے گئے اور خوب روئے اور پھر فرمایا کہ اے اللہ! مجھے اس حال میں اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ ملحق کر لے کہ مجھ میں کوئی تبدیلی بھی نہ آئے اور میں رسوا بھی نہ ہوا ہوں۔ پھر اپنی مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا اے عمیر! تم نے وہاں کس طرح خدمت انجام دی؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اونٹ والوں سے زکوۃ میں اونٹ وصول کیے اور جن کفار پر جزیہ تھا ان سے جزیہ وصول کیا اور یہ اموال فقراء و مساکین اور مسافروں میں تقسیم کیے، خدا کی قسم امیر المومنین اگر کوئی چیز بھی میرے پاس رہتی تو میں آپ کے پاس لے آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمیر تم واپس اپنے عہدے پر چلے جاؤ۔ عمیر نے عرض کیا کہ امیر المومنین! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے گھر جانے کی اجازت دیدیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے وہ گھر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جانچنے کے لئے حبیب نامی ایک آدمی کو سو دینار دیئے اور ان کے پاس بھیجا کہ جا کر عمیر کے حالات معلوم کرو کہ وہ کیسی زندگی گزارتا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ظاہری طور پر وہ اپنے امانت دار ہونے کا اظہار کر رہا ہو۔ اور حقیقتاً ایسا نہ ہو، دیکھو اسکی زندگی آسائش کی ہے یا تنگی کی؟

چنانچہ حبیب نے عمیر کے گھر جا کر تین دن گزارے، ان کے گھر میں سوائے جو کی روٹی اور زیتون کے تیل کے کچھ نہیں دیکھا، تیسرے دن عمیر نے حبیب سے کہا کہ ہمارے پاس کھانے پینے کی تنگی ہے اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم آپ کو اپنے پڑوسیوں کا مہمان بنالیتے ہیں۔ جہاں آپ کو اچھا کھانا ملے گا۔ ہمارے پاس اگر اس کھانے کے علاوہ

اور کوئی اچھا کھانا ہوتا تو آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتے اور آپ کو اچھا کھانا کھلاتے۔ حبیب نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ سو دینار ان کو دیئے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے بھیجے ہیں۔ انہوں نے کپڑا منگایا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑے میں پانچ دینار باندھ کر اپنے آس پاس غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔ حبیب نے واپس آکر عرض کیا کہ امیر المومنین ایسے آدمی کے پاس سے آیا ہوں جو سب سے بڑا زاہد ہے اور دنیا کی کوئی وقعت و قیمت اس کے پاس نہیں، اس نے وہ پوری رقم تقسیم کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے دو کپڑے اور کچھ غلہ بھیجا، اس نے عرض کیا، کپڑوں کی مجھے ضرورت ہے اس کو میں قبول کرتا ہوں اور غلے کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ میرے گھر میں کچھ گندم کا آٹا ہے جو میرے واپس آنے تک گھر والوں کے لئے کافی ہوگا۔

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے نواح میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک دیہاتی آیا جو محتاج تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کچھ مانگنا چاہتا تھا۔ لیکن حیا کی وجہ سے مانگ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کے ہاتھ میں جو عصا تھی اس سے اس نے زمین پر دو شعر لکھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ میرے پاس ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہی جس کو میں ایک درہم میں فروخت کر کے اپنا گزارہ کر سکوں، میری حالت زار خود میرے فقر کی داستان آپ کو سنا رہی ہے۔ جس نے مجھے اپنی حالت کی خبر دینے سے مستغنی کر دیا ہے۔ البتہ اب تک میں نے اپنے چہرے کے پانی کی حفاظت کی تھی، یعنی اب تک میں نے اپنی عزت کی خاطر کسی سے سوال نہیں کیا ہے اب میں نے اس کو مباح کر دیا ہے۔ آپ خرید لیں۔ یعنی آپ سے سوال کر رہا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی تک ان کے یہ اشعار پڑھے بھی نہ تھے کہ ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ مال غنیمت سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں جو چاندی آئی تھی، وہ مدینہ پہنچ چکی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی وقت وہ سب چاندی جو اونٹوں پر لدی ہوئی تھی اور وہ بہت زیادہ تھی، اس دیہاتی کو تحفہ میں دی اور اشعار ہی میں اس اعرابی سے کہا کہ تم جب ہمارے پاس پہنچے تو ہماری طرف سے جلدی ہی تمہیں ہدیہ ملا، مبارک ہو، نہ تم نے مہلت دی اور نہ ہم تمہاری وجہ سے تنگ ہوئے، یہ تھوڑا سا تحفہ ہے قبول کر لو اور یوں سمجھو کہ گویا تم نے حیاء کا پانی



فروخت نہیں کیا اور نہ ہم نے خریدا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر وہ اپنے گھر کے لئے کوئی چیز خریدتے مگر کوئی دوسرا آدمی انہیں زیادہ حاجت مند نظر آتا تو وہ چیز اس کو دیدیتے اور فرماتے کہ اس دنیا کا قیام چار قسم کے آدمیوں سے ہے،

(۱) عالم جو اپنے علم کو استعمال کرے یعنی خود بھی اپنی علم پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی علم سکھلائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے۔

(۲) جاہل جو علم حاصل کرنے اور دین سیکھنے میں شرم محسوس نہ کرے۔

(۳) مال دار جو اپنے مال کو اللہ کی رضا کے لئے غریبوں پر خرچ کرے

(۴) فقیر جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت نہ کرے، یعنی غربت میں مال کمانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتا ہو۔

جس شخص پر اللہ جل شانہ کے انعامات زیادہ ہوں تو لوگوں کا احتیاج بھی اس کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جگہوں پر خرچ نہ کرے تو گویا وہ ان نعمتوں کو فناء اور ختم کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات ایک عربی شاعر نے بھی کی ہے، فرماتے ہیں کہ

دنیا کے مال و دولت کا آنا کتنا اچھا ہے بشرطیکہ جس کو یہ مال و دولت ملے، وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بھی ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے انعامات کی حفاظت نہ کرے یعنی جائز مقام پر اس کو خرچ نہ کرے تو پھر اس نعمت پر زوال آئے گا۔

پس ان بیان کردہ روایات و آثار اور واقعات کی روشنی میں ہر پڑوسی کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کی جانی، مالی اور ہر طرح کی مدد کرے۔ یہ سوچنا چاہئے کہ ہر آدمی پر ایسا وقت آسکتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان کی زندگی میں تنگی و آسائش، غم و خوشی کے مختلف مراحل ضرور آتے ہیں۔ آج اگر آپ ضرورت کے وقت کسی کے کام نہ آئے تو خدانخواستہ کل ایسا وقت آپ پر بھی آسکتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا،

جزی اللہ الشدائد کل خیر

عرفت بہا عدوی من صدیقی

اللہ تعالیٰ تکالیف و مصیبتوں کو جزائے خیر دے کہ ان کے ذریعے میں نے دوست اور

دشمن کی پہچان حاصل کی۔

مشہور ادیب ابن المقفع کو ایک دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا پڑوسی مقروض ہونے کے سبب اپنا گھر فروخت کر رہا ہے۔ ابن المقفع کبھی کبھی پڑوسی کے گھر کے سائے میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس لئے جب ابن المقفع کو یہ معلوم ہوا تو کہنے لگا کہ اگر مقروض ہونے کی وجہ سے ہمارے پڑوسی نے اپنا گھر فروخت کیا تو پھر گویا ہم نے اس کے گھر کے سائے میں بیٹھنے کا بدلہ اور حق ادا نہیں کیا، چنانچہ ابن المقفع نے گھر کی قیمت جتنی رقم پڑوسی کو دے دی اور اس کو گھر کی فروخت سے منع کر دیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ

"وہ آدمی ہرگز کامل مسلمان نہیں جو خود اپنا پیٹ بھرلے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو"

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے تین باتوں کی نصیحت فرمائی ہے۔

(۱) امیر کی سمع وطاعت یعنی فرمانبرداری کروں اگرچہ مجھ پر کان کٹا اور ناک کٹا غلام ہی امیر کیوں نہ ہو۔

(۲) جب میں اپنے گھر میں شوربہ پکاؤں تو اس میں پانی زیادہ ڈالوں اور پھر اس سے اپنے پڑوسیوں کو بھی دوں۔

(۳) نماز اپنے مستحب وقت پر پڑھوں، بعد میں جماعت کے ساتھ نماز مل جائے تو پھر نفل کی نیت سے ان کے ساتھ شرکت کر لوں اور اگر بعد میں جماعت نہ ملے تو میں اپنی نماز کو تو محفوظ کر چکا ہوں گا۔

مجاہد سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، ان کا غلام بکری ذبح کر کے اس کا چمڑا اتار رہا تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا جب گوشت تیار ہو جائے تو تقسیم کی ابتداء یہودی پڑوسی سے کرنا۔ ہم نشینوں میں سے ایک آدمی نے پوچھا کہ کیا یہودی سے ابتدا کرے؟ یعنی کیا اس کے ساتھ احسان کرنا جائز ہے؟ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ



ہاں میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ پڑوسی کے ساتھ احسان کے بارے میں بہت تاکید کے ساتھ وصیت کر رہے تھے یہاں تک کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں اس کو وارث نہ بنا دیں۔

ہر صاحب حاجت اور ضرورتمند پڑوسی کو چاہئے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اسباب اختیار کرتے ہوئے صبر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا۔

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے"

یعنی جب کوئی مشکل اور تنگی کا وقت آتا ہے تو اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ آسانی اور کشادگی فرمادیتے ہیں کسی شاعر کا قول ہے کہ

اذا اشتدت بک البلوٰی ففکر فی الم نشرح
فعسر بین یسرین اذا فکرتہ ففرح!

یعنی جب تم پر کوئی سختی اور مصیبت آئے تو سورۃ الم نشرح میں غور وفکر کرو، ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان واقع ہے جب تم اس میں غور کرو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔

## مبارک باد دینے کے احکام

جب پڑوسی کو کوئی بھلائی اور خیر میسر آئے یعنی اس کے ہاں کوئی خوشی ہو تو اس کو مبارک باد دے یعنی یوں کہے کہ آپ کو فلاں خوشی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کی اس خوشی کو قائم و دائم رکھے وغیرہ یا اس قسم کی دوسری دعائیں دے یہ ضروری ہے کہ اس کی خوشی پر آدمی اپنی خوشی کا اظہار کرے تاکہ پڑوسی کو محسوس ہو کہ اس کی خوشی سے آپ کو بھی فرحت اور خوشی حاصل ہوئی ہے اور آپ ہر طرح اس کی خوشی اور غم وغیرہ میں شریک ہیں اس سے وہ خوش ہو گا اور آپ سے محبت اور تعلق پیدا ہو گا کیونکہ یہ طبعی چیز ہے کہ آدمی جس کو اپنا خیر خواہ اور خوشی و غم میں شریک دیکھتا ہے اس سے محبت و تعلق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے حدیث مبارک میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اس وقت تک تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان

بچوں کے لئے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اس مقام پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مبارک باد دینے کے متعلق احادیث مبارکہ میں جو دعائیں منقول ہیں وہ نقل کر دوں تاکہ اس قسم کی احادیث پر عمل کر کے ثواب حاصل کیا جا سکے۔

(۱) جب کوئی شخص اپنے کسی پڑوسی یا دوست کو دیکھے کہ اس نے نیا کپڑا پہنا ہے تو مبارک باد کے طور پر وہ الفاظ استعمال کرے جو صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ سے اس موقع پر منقول ہیں اور وہ یہ ہیں۔ البس جدیدا ... الخ "تم ہمیشہ نیا کپڑا پہنو اور قابل تعریف زندگی گذارو اور تمہیں شہادت و سعادت کی موت نصیب ہو"

(الاذکار للنووی ص ۲۰)

(۲) آپ کا پڑوسی یا دوست جب سفر سے واپس آئے تو اسے مبارک باد کے طور پر ملاقات کے وقت یہ دعا دی جائے کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلامتی کے ساتھ رکھا یا یوں کہے کہ الحمد للہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو پراگندگی اور تکلیفوں سے محفوظ رکھا۔

(کتاب الاذکار ص ۱۹۸)

(۳) جب کوئی شخص جہاد سے واپس آئے تو اس کو ان الفاظ سے مبارک باد دی جائے کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد کی اور آپ کو عزت و اکرام سے نوازا۔

(الاذکار ص ۱۹۸)

(۴) جب آپ کا پڑوسی یا دوست سفر حج و عمرہ پر روانہ ہو رہا ہو تو رخصت کرتے وقت آپ کو اس کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے۔ زودک اللہ التقویٰ ووجھک فی الخیر وکفاک الھم۔

(الاذکار للنووی ص ۱۹۹)

(۵) جب حج و عمرہ سے واپس آئے تو یہ الفاظ کہے جائیں، قبل اللہ حجک وغفر ذنبک واخلف نفقتک۔

(الاذکار ص ۱۹۹)

(۶) جب کسی دوست یا پڑوسی کی شادی ہو جائے تو یوں کہے "بارک اللہ لک او بارک اللہ علیک وجمع بینکما فی خیر" بلکہ مستحب یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کو



یوں کہے "بارک اللہ لکل واحد منکما فی صاحبہ وجمع بینکما فی خیر" ایک روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ بارک اللہ لک وبارک علیک۔ وجمع بینکما فی خیر۔ بعض روایات میں صرف بارک اللہ لک منقول ہیں۔

(الاذکار ص ۲۳۶)

(۷) اگر کسی دوست یا پڑوسی کے گھر میں بچہ پیدا ہو تو ان الفاظ سے مبارک باد دینی چاہئے، "بارک اللہ لک فی الموہوب لک وشکرت الواجب وبلغ اشدہ ورزقت برہ" جس کو ان الفاظ سے مبارک باد دی جائے وہ جواب میں یوں کہے: بارک اللہ لک وبارک علیک وجزاک اللہ خیرا۔ یا یہ جواب دے ورزقک اللہ مثلہ۔ یا یوں کہے اجزا اللہ ثوابک۔

(الاذکار ص ۲۵۱)

پڑوسی کے اس حق کے بارے میں جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب پڑوسی کو کوئی خوشی محسوس ہو تو ہم اس کو مبارک باد دیں چونکہ انسان کے حالات یکساں نہیں رہتے اور اس کی زندگی میں اس پر مختلف اور متضاد احوال گذرتے ہیں جیسے اس پر خوشی کے مواقع آتے ہیں اسی طرح غم اور مصیبت کے حالات سے بھی اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ایسے حالات کے متعلق بھی مختصراً شرعی احکام و آداب لکھ دیئے جائیں۔

ہر پڑوسی پر لازم ہے کہ اگر خدانخواستہ اس کے پڑوسی پر غم و مصیبت کے حالات آئیں تو اس کی خیر خواہی اور مدد کرے اور اس کے غم و مصیبت کو کم کرنے کی کوشش کرے اور اس کو تسلی دے۔ اس سلسلے میں صبر کرنے کی فضیلت اور مصائب پر اجر و ثواب کے متعلق قرآن کریم کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ اس کو سنائے۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ایسے وقت میں اس کو سنائے کہ وہ متوجہ ہو اور آرام و سکون سے سن رہا ہو۔ عین شدت غم یا ایسی حالت میں نہ سنائے جس میں وہ متوجہ نہ ہو یا شدت غم کی وجہ سے کہیں کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے قرآن و حدیث کی تخفیف ہو جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مناسب وقت اور مناسب طریقے سے یہ کام کرے نیز ایسے موقع پر یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر اس کو مالی مدد کی ضرورت ہو تو بقدر وسعت اس کی مالی مدد بھی

کرے۔

جس طرح خوشی کے موقعہ پر مبارک باد دینے کے لئے کچھ دعائیں منقول ہیں اسی طرح غم، مصیبت اور تعزیت کے مواقع کے لئے بھی کچھ دعائیں احادیث مبارکہ میں منقول ہیں۔ ذیل میں ہم ان ہی کو ذکر کرتے ہیں تاکہ احادیث مبارکہ کی یہ دعائیں پڑھ کر آدمی شرور و فتن سے اپنی حفاظت کر سکے۔

(۱) جب آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اسے وہ دعا پڑھنی چاہئے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا، اے علی! تم کو ایسے کلمات نہ سکھلاؤں کہ جب تم کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو تو ان کو پڑھ لیا کرو جس سے تمہیں فائدہ ہوگا میں نے عرض کیا ضرور بتلائیے۔ آپ نے فرمایا جب تم پر کوئی مصیبت اور پریشانی آئے تو یہ کلمات پڑھا کرو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ جب تم یہ کلمات پڑھ لوگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ بہت ساری بلائیں اور مصیبتیں ہٹا دیں گے۔

(رواہ ابن السنی کما فی الاذکار للنووی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰۶)

(۲) جب کفار یا اور کسی نافرمان اور سرکش قوم سے جان وغیرہ کی ہلاکت کا خوف ہو تو وہ دعا پڑھنی چاہئے جو سنن ابو داؤد اور سنن نسائی میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی قوم سے خوف محسوس کرتے تھے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔

(الاذکار ص ۱۰۶)

(۳) کسی حاکم سے ظلم کا خوف ہو تو وہ دعا پڑھنی چاہئے جو ابن السنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے روایت کی ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم وغیرہ سے ظلم و زیادتی کا خوف ہو تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ لا الہ الا اللہ الحلیم الحکیم سبحان اللہ رب السموات السبع و رب العرش العظیم لا الہ الا انت عز جارک وجل ثناؤک۔



(الاذکار للنووی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰۷)

(۴) اگر کسی شخص یا اس کے پڑوسی اور دوست کو رزق کی تنگی ہو تو اسے وہ دعا ضرور پڑھنی چاہئے جو "عمل الیوم واللیلۃ" میں ابن السنی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے نقل کی ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے کیا مانع ہے کہ اگر کسی پر رزق کی تنگی ہو تو اسے چاہئے کہ جب وہ گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے "بسم اللہ علی نفسی ومالی ودینی اللھم رضنی بقضائک وبارک فیما قدرت لی حتی لا احب تعجیل ما اخرت و تاخیر ما عجلت"

(الاذکار للنووی صفحہ ۱۰۸)

(۵) جب کوئی غم اور تکلیف آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ خوشخبری دیجئے صبر کرنے والوں کو جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر رحمتیں ہیں ان کے رب کی جانب سے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

ابن السنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ہر قسم کی چھوٹی بڑی مصیبت میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کرو حتیٰ کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی پڑھ لیا کرے کیونکہ یہ مصائب میں سے ہے۔

(الاذکار للنووی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۰۹)

(۶) اگر کسی پر قرضہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی سے عاجز آچکا ہو تو اسے وہ دعا پڑھنی چاہئے جو حضرت علی نے ایک غلام کو بتائی تھی۔ چنانچہ سنن ترمذی میں روایت ہے کہ ایک مکاتب غلام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنے مولیٰ سے عقد کتابت کیا تھا یعنی میں نے ان سے یوں کہا تھا کہ میں آپ کو اتنی رقم دے دوں گا آپ مجھے آزاد کر دیں لیکن اب میں اس رقم کی ادائیگی سے عاجز ہوں اور انتظام نہیں کر سکتا۔ آپ میری مدد فرمائیے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں کچھ کلمات نہ بتاؤں جو مجھے نبی کریم ﷺ نے بتائے تھے اگر تم پر اُحد پہاڑ کے برابر بھی قرض ہوگا تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ادائیگی کے اسباب پیدا فرما دیں گے وہ کلمات

یہ ہیں،

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغنی بفضلک عمن سواک۔

(قال الترمذی حدیث حسن۔ الاذکار ص ۱۰۹)

# عیادت کے احکام و آداب

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ اگر پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے عیادت کا مطلب یہ ہے کہ دوران بیماری اس کی ملاقات کے لئے جائے، اس کی حالت پوچھے، تسلی دے اور اس کے لئے شفاء کی دعا کرے، اس حق کی تفصیل جاننے سے پہلے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اس حق کا تعلق صرف پڑوسی سے نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان ہونے کے بحیثیت مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان میں ایک حق یہ بھی ہے جیسے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں، پوچھا گیا کہ وہ حقوق کون سے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا،

(۱) جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو سلام کیا جائے۔

(۲) جب وہ تمہیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کی جائے۔

(۳) جب وہ خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کی جائے یعنی جب مشورہ مانگے تو خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دیا جائے۔

(۴) جب کسی مسلمان کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ سے جواب دیا جائے۔

(۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔

(۶) اور اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ دفن تک رہنا چاہئے۔

(اخرجہ احمد والشیخان)

## عیادت کے آداب

میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع کی ابتداء میں مریض کی عیادت کے ان تمام آداب کو بیان کروں جو مختلف احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ آداب یہ ہیں۔

(۱) مستحب یہ ہے کہ ایک مسلمان جب کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے



لئے شفاء کی دعا کرے اور تکلیف پر صبر کرنے کی تلقین کرے۔ حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے نقل کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا، میں مکۃ المکرمہ میں بیمار ہوا، نبی کریم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے میری پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا پھر میرے سینے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا، پھر دعا فرمائی کہ اے اللہ سعد کو شفاء عطا فرما اور اس کے لئے اس کی ہجرت کو پورا فرما۔

(اخرجہ ابوداؤد والبیہقی وکذا البخاری مطولا)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایسے مریض کی عیادت کی کہ جس کا وقت مقرر پورا نہیں ہوا تھا اور عیادت کے وقت اس کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھ لی " اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک" تو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔

(اخرجہ الثلاثۃ وابن حبان)

(۲) یہ بھی مستحب ہے کہ عیادت و ملاقات کے لئے جانے والا مریض کی تسلی کے لئے کہے کہ کوئی فکر اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے یعنی تم کوئی زیادہ بیمار نہیں ہو انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ یہ بیماری انشاء اللہ گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک آدمی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس سے فرمایا کوئی بات نہیں انشاء اللہ یہ گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہو گا، اس آدمی نے کہا کہ نہیں یہ تو سخت ابلنے والا یعنی گرم بخار ہے، پھر یہ ہے بھی ایسے آدمی پر جو بہت بوڑھا ہے یعنی میں بوڑھا اور کمزور ہوں دوسری طرف یہ سخت بخار بھی ہے۔ لہذا مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ بخار اس وقت تک نہیں جائے گا، جب تک کہ مجھ کو قبر میں نہ پہنچا دے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ٹھیک ہے یعنی پھر تم اس بخار ہی میں مر جاؤ گے۔

(اخرجہ البخاری)

(۳) عیادت کرنے والے کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ مریض کے قریب جا کر اگر ممکن اور مناسب ہو تو مرض اور تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھے اور بسم اللہ پڑھ کر وہی دعا پڑھ لے جو پچھلی حدیث میں گذری ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت

مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو درد اور تکلیف کے مقام پر ہاتھ رکھتے اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے لئے دعاء شفاء کرتے۔

(اخرجہ ابویعلی بسند حسن)

(۴) عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کے پاس جا کر ناامیدی کی باتیں نہ کرے بلکہ ایسی باتیں کرے کہ اس کو شفاء یاب اور زندہ رہنے کی امید پیدا ہو جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مریض کی عیادت کے لیئے اس کے پاس جاؤ تو اس کے زندہ رہنے، شفا پانے اور موت کے دور ہونے کی باتیں کرو۔ تمہاری باتوں سے قضاء اور فیصلہ تو نہیں بدل سکتا البتہ مریض کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

(۵) عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض سے اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرے اس لئے کہ مریض آدمی کی دعا قبول ہوتی ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، بیماروں کی عیادت کرو اور ان سے دعا کی درخواست کیا کرو کیونکہ مریض کی دعا قبول ہوتی ہے اس لئے کہ تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہو چکے ہوتے ہیں۔

(اخرجہ الطبرانی فی اللاوسط)

(۶) مستحب یہ ہے کہ عیادت کرنے والا مریض کے پاس زیادہ نہ بیٹھے اور ایک ہی دن میں دو تین دفعہ عیادت کے لئے بھی نہ جائے تاکہ مریض اور اس کے گھر والے تنگ نہ ہوں البتہ خود مریض کی خواہش زیادہ دیر بیٹھنے یا بار بار آنے کی ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس کے گھر والوں کے لئے اس میں تکلیف نہ ہو اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے نقل کی ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ خندق میں زخمی ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی میں ان کے قیام کے لئے خیمہ لگایا تاکہ قریب سے جلدی جلدی ان کی عیادت اور دیکھ بھال کر سکیں۔

(اخرجہ ابوداود مسلم وکذا البخاری مطولا)

(۷) عیادت رنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ باوضو ہو۔



(۸) عیادت کے لئے پیدل چل کر جانا مستحب ہے البتہ سوار ہو کر جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں خصوصاً جب کہ بیمار دور ہو یا عیادت کرنے والا پیدل چل کر نہ جا سکتا ہو۔

(۹) عیادت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ بیمار کے پاس نہ کچھ کھائے اور نہ پیئے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے عیادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے البتہ جمہور علماء کے نزدیک ایسا نہیں ہے خصوصاً جبکہ مریض اس پر خود اصرار کرے اور اس کی خواہش بھی ہو۔

(۱۰) اگر کوئی عورت بیمار ہو تو اس کی عیادت بھی جائز اور باعث ثواب ہے البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عورت کے ساتھ ایسا رشتہ ہے کہ جس سے آدمی کے لئے شادی کرنا جائز نہیں ہے تو پھر اس کے قریب جا کر اس کو دیکھ سکتا ہے اور اگر نامحرم رشتہ دار ہو یا اجنبی عورت ہو تو جہاں خوف فتنہ اور خوف تہمت نہ ہو ان کی عیادت بھی پردے کے ساتھ جائز اور باعث ثواب ہے البتہ خلوت میں اجنبی عورت کی عیادت کرنا جائز نہیں۔

عبدالملک بن عمیر بن ام العلا رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے (جو صحابیہ ہیں) منقول ہے کہ میں بیمار تھی، نبی اکرم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے فرمایا کہ اے ام العلاء تمہیں اس بیماری پر بشارت ہو، کیونکہ مسلمان کے بیمار ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے کہ سونا یا چاندی آگ میں ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا میل کچیل ختم ہو جاتا ہے۔ (اخرجہ ابوداود)

اسی طرح جہاں خوف فتنہ اور خوف تہمت نہ ہو عورت بھی مردوں کی عیادت کر سکتی ہے جو لوگ محرم ہیں ان کی عیادت تو بلاشبہ جائز اور باعث ثواب ہے البتہ جو لوگ اس کے محرم تو نہیں ہیں مگر وہاں خوف فتنہ و تہمت بھی نہ ہو تو پردے کے ساتھ ان کی عیادت جائز ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ حضرت ام الدرداء نے ایک انصاری کی عیادت کی تھی جو مسجد میں رہتے تھے۔

اسی طرح غیر مسلم کا مسئلہ ہے کہ اگر اس میں کوئی مصلحت ہو مثلاً اس کی ہدایت کی امید ہو یا خود عیادت کرنے والے کے لئے کوئی مصلحت ہو یا وہ غیر مسلم رشتہ دار ہو یا پڑوسی ہو تو اس کی عیادت بھی جائز اور باعث ثواب ہے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا نبی اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور اس کے سر کی جانب بیٹھ گئے، آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ مسلمان ہو جا اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو اس کے قریب بیٹھا تھا، والد نے کہا کہ ابو القاسم کی اطاعت کرو نبی اکرم ﷺ جو کچھ ارشاد فرما رہے ہیں اس کو مان لو چنانچہ وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اس لڑکے کو میری وجہ سے آگ سے نکالا۔

(اخرجہ البخاری وابوداؤد والنسائی)

مندرجہ بالا احادیث میں عیادت کے جو آداب مذکور ہیں ہر مسلمان پر ان آداب کو ملحوظ رکھنا لازم ہے تاکہ عیادت طریقہ سنت کے مطابق ہو اور اس پر ثواب مل جائے۔ اب ہم کچھ ایسی احادیث پیش کریں گے جن سے عمومی طور پر عیادت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ عیادت میں مصروف ہو وہ جنت کے باغیچے میں ہوتا ہے۔

(رواہ مسلم)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان صبح کے وقت دوسرے مسلمان کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے شام تک رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے ایک باغیچہ بنایا جاتا ہے۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

جب کوئی آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے اور عیادت کرنے والے کے سامنے اس کی جانکنی شروع ہو جائے تو ایسے وقت میں چار باتوں کا خیال رکھنا چاہئے،

(۱) مسنون یہ ہے کہ جس کے انتقال کا وقت شروع ہو جائے تو اس کو قبلہ رخ کیا جائے کیونکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب



مدینہ منورہ تشریف لائے (یعنی کسی سفر سے واپس آئے) تو حضرت براء بن معرور (جو بیمار تھے) کے متعلق پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور جب انتقال ہو رہا تھا تو انھوں نے اپنے تہائی مال کی وصیت آپ کے لئے کی تھی اور بوقت جانکنی ان کو قبلہ رخ کیا گیا تھا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کی موت فطرت اسلام پر ہوئی اور میں یہ تہائی مال قبول کر کے ان کے بچوں کو واپس دیتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ دعا کی کہ اے اللہ ان کی بخشش فرما ان پر رحم فرما اور ان کو اپنی جنت میں داخل فرما اور بے شک تو نے داخل کر لیا۔

(اخرجہ البیہقی والحاکم وقال صحیح)

ابو رافع کی والدہ سلمیٰ سے منقول ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہ کی وفات کا وقت ہوا تو وہ اپنا داہنا ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر خود قبلہ رخ ہو گئیں۔

(اخرجہ احمد)

ان ہی احادیث کی بنا پر احناف، مالکیہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ قریب الموت آدمی کو سیدھی کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے جیسا کہ مردے کو قبر میں لٹایا جاتا ہے یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں بھی صحیح ہے لیکن اگر جگہ تنگ یا کسی اور وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر جس طرح ممکن ہو لٹا دیا جائے لیکن چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو بالکل اس طرح سیدھا چت لٹا دیا جائے کہ پیر قبلہ کی طرف ہوں۔ ایک قول کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قریب المرگ آدمی کو بالکل سیدھا چت لٹایا جائے اور پیر قبلہ کی طرف کئے جائیں اور سر تھوڑا سا اونچا کیا جائے تاکہ رخ قبلہ کی جانب ہو بعض لوگوں کا عمل اس پر ہے لیکن پہلی صورت زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

(۲) مسنون ہے کہ قریب الموت آدمی کو کلمہ توحید یا کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے البتہ اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے یعنی اس وقت قریب بیٹھے ہوئے لوگ اس کے سامنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں تاکہ دار دنیا سے نکلتے ہوئے اسکا آخری کلام یہی ہو اور وہ جہنم کی آگ سے نجات پالے کیونکہ کثیر بن مرہ حضرت معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں

داخل ہو گا۔

(اخرجہ احمد وابوداؤد والحاکم وقال صحیح الاسناد)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قریب الموت لوگوں کو لاالہ الااللہ کی تلقین کیا کرو۔

(اخرجہ السبعة الا البخاری)

یہ کلمہ طیبہ کی تلقین صرف مسلمانوں کے لئے ہے کافر کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ وہ اگر جانکنی شروع ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلے تو مسلمان شمار ہو گا۔

(۴) مستحب اور بہتر یہ ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس نیک اور صالح لوگ بیٹھے ہوں جن کی دعاؤں کی وجہ سے اس کے لئے مغفرت اور تخفیف عذاب وغیرہ کی امید ہو۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کے انتقال کے وقت آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور اپنا سر مبارک ان پر رکھ دیا جب ان کا انتقال ہوگیا تو اپنا سر اٹھایا اور فرمایا کہ مومن کی روح جب نکالی جارہی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و تعریف میں مشغول ہو تو اس کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔

(اخرجہ احمد ونسائی بسند جید)

(۴) اسی طرح قریب الموت آدمی کے پاس سورہ یٰس پڑھنا بھی مستحب ہے تاکہ اس کے لئے تخفیف عذاب کا سبب بن سکے چنانچہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ یٰس قرآن کریم کا دل ہے جب کوئی آدمی اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور آخرت کے فائدے کی نیت سے پڑھتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اس کو اپنے مردوں پر پڑھ لیا کرو۔

(اخرجہ احمد وابن حبان والحاکم وصححاہ والاربعة الا الترمذی بسند حسن)

مردوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو قریب المرگ ہوں۔

”الدین الخالص“ نامی کتاب میں ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس وہ لوگ بیٹھے ہوں جو متقی پرہیزگار بھی ہوں اور اس کی عادات و احوال سے واقف



ہوں اور قریب الموت کو ان سے انس بھی ہوتا کہ یہ لوگ قریب الموت کو کلمہ طیبہ کی تلقین کریں، گناہوں اور مظالم سے (جو اس سے سرزد ہوئے ہوں) توبہ کرنے کو کہیں اور جب محسوس کریں کہ اس کی جانکنی کا وقت قریب ہے تو کچھ پانی حلق میں ٹپکائیں اور قبلہ رخ کردیں اور جب روح نکل جائے تو اس کی آنکھیں اور ہونٹ بند کردیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ بہتر مجلس وہ ہے جس میں لوگ قبلہ رخ ہوں۔

(اخرجہ الطبرانی عن ابن عمر)

اور جانکنی کے وقت لاالہ الااللہ کی تلقین کریں کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا افضل عمل یہ ہے کہ جس وقت آدمی کا انتقال ہو تو اس کی زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔

(رواہ سعید بن منصور)

میت کو تلقین لطف و نرمی کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اس کو تنگ نہ کرے اور بار بار تلقین نہ کرے بلکہ ایک دفعہ جب وہ کلمہ طیبہ پڑھ لے اور پھر کوئی بات نہ کرے تو وہ کافی ہے اگر کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد کوئی دنیوی بات کرے تو پھر اعادہ کرانا چاہئے تاکہ آخری کلام لاالہ الااللہ ہو۔

امام احمد سے منقول ہے کہ قریب الموت آدمی کے پاس سورہ فاتحہ سورہ یٰس اور قرآن کریم کی دوسری سورتیں پڑھی جائے تاکہ جانکنی کی تکلیف میں اس کی برکت سے تخفیف ہوجائے۔

لہذا اس کتاب کے پڑھنے والوں پر لازم ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی کا انتقال ہو یا پڑوسی اور رشتہ دار کسی کے انتقال کے وقت اس کو بلائیں تو وہ ان سب احکام و آداب پر عمل کرے تاکہ مسلمان اور خصوصاً پڑوسی کے ساتھ آخری وقت تک احسان کا سلوک قائم رہے۔ جب ان احکام پر عمل کرے گا تو گویا پڑوسی کے حقوق کی رعایت والے امر پر عمل ہوجائے گا۔

# تعزیت کے فضائل، احکام اور مسائل

مسلمان کا ایک حق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس پر کوئی غم یا مصیبت آئے تو اس سے تعزیت کی جائے یعنی اس کو تسلی دی جائے اور اسے اس مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین کی جائے۔

اس حق کی پوری وضاحت کے لئے الشیخ محمود رحمہ اللہ تعالیٰ خطاب السبکی کی کتاب "الدین الخالص" سے ہم کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"تعزیت لغوی معنی کے اعتبار سے بہتر طریقے سے صبر کرنے کو کہتے ہیں اس کے شرعی معنی یہ ہیں کہ مصیبت زدہ آدمی کو تسلی دینا اور مصیبت پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور قضا وقدر پر راضی رہنے کی تلقین کرنا۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انہ من یتق اللہ ویصبر فان اللہ لایضیع اجر المحسنین۔ (سورہ یوسف آیت ۹۰)

"بے شک جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا"

(سورۂ یوسف آیت ۹۰)

یعنی جس شخص پر کوئی تکلیف ومصیبت آئے تو وہ گھبرائے بھی نہیں اور شریعت کے خلاف کوئی کام بھی نہ کرے تو پھر انجام کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اس کو اس بلاء اور مصیبت سے بھی زیادہ عطا فرمائیں گے۔

علامہ محمود خطاب السبکی تعزیت کی تفصیل کو آٹھ عنوانات پر تقسیم کرکے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

## (۱) تعزیت کا حکم اور اس کی فضیلت

تعزیت مستحب ہے متعدد احادیث مبارکہ میں اس کی فضیلت واہمیت وارد ہے، چنانچہ عبداللہ بن ابی بکر محمد بن حزم اپنے دادا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں اپنے کسی دوسرے مومن بھائی کی تعزیت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قیامت میں عزت کا جوڑا پہنائیں گے۔

(واخرجہ ابن ماجۃ والبیہقی وفیہ قیس ابو عمارۃ ذکرہ ابن حبان فی الثقات



ووثقہ الذہبی وقال البخاری فیہ نظر وباقی رجالہ ثقات)

سو نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت زدہ سے تعزیت کی تو اس کو بھی مصیبت زدہ کے برابر اجر ملے گا۔

(اخرجہ ابن ماجۃ والبیہقی والترمذی وقال لانعرفہ الامن حدیث علی بن عاصم وروی بعضہم عن محمد بن سوقۃ بہذا الاسناد مثلہ موقوفا)

عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو راستے میں دیکھا پوچھا کس سبب سے گھر سے نکلی ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ایک خاندان میں ایک آدمی کا انتقال ہوگیا تھا میں ان کے ہاں گئی تھی تاکہ ان کی میت کے لئے رحمت کی دعا کروں اور ان کو تسلی دے دوں۔

(اخرجہ احمد وابوداؤد ونسائی والبیہقی)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام سبکی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت پردے میں پڑوسیوں کے ہاں تعزیت کے لئے جاتی ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی بناء پر آئمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ میت کے تمام اقارب ورشتہ داروں سے تعزیت کرنا مستحب ہے، دفن سے پہلے بھی تعزیت جائز ہے۔ اور دفن کے بعد بھی۔ البتہ نوجوان عورتوں سے ان کے رشتہ داروں کی موت پر خلوت میں تعزیت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے (جو شافعی المسلک ہیں) لکھا ہے کہ دفن کے بعد تعزیت کرنا مستحب نہیں اس لئے کہ شرعی طور پر میت کے معاملات دفن کے ساتھ ہی ختم ہوجاتے ہیں لیکن جمہور آئمہ کے ہاں دفن کے بعد بھی تعزیت جائز ہے اس لئے کہ تعزیت کا مقصد اہل میت کو تسلی دینا اور ان کے حقوق کو پورا کرنا ہے اور اس کی ضرورت جیسے دفن سے پہلے تھی اسی طرح دفن کے بعد بھی ہے۔ تعزیت میت کے ان سب رشتہ داروں سے کرنی چاہئے جن کو میت کے جانے سے غم ومصیبت محسوس ہوا ہو۔ اس میں مرد، بچے بوڑھے سب شامل ہیں البتہ نوجوان عورت سے صرف اس کے محارم تعزیت کرسکتے ہیں، اجنبی مردوں کے لئے بغیر پردے کے اس سے تعزیت کرنا جائز نہیں۔

## تعزیت کی حکمت

تعزیت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے اہل میت کی تسلی ہو جاتی ہے اور ان کا غم ہلکا ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلق، محبت اور تعاون کا اظہار ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ "نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو" اور یہ کہ تعزیت کرنے سے اہل میت کو صبر کرنے کی ہمت اور غم برداشت کرنے کا حوصلہ ملتا ہے اور پھر یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ اللہ کی تقدیر پر اظہار رضا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہر حالت میں رجوع کرنے کے مضمون پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر شریعت نے تعزیت کرنے کا حکم دیا ہے۔ تعزیت صرف ایک مرتبہ کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تعزیت صرف ایک مرتبہ ہے۔

## تعزیت کا وقت

تعزیت کا وقت موت سے تین دن تک کا ہے۔ آئمہ اربعہ کا مسلک یہی ہے پہلے دن تعزیت کرنا افضل ہے۔ اسی طرح دفن کے بعد تعزیت کرنا بنسبت دفن سے پہلے تعزیت کرنے کے زیادہ افضل ہے کیونکہ اہل میت دفن سے پہلے ایک تو مشغول ہوتے ہیں اور دوسرے حقیقی فراق کا احساس بھی دفن کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگر جزع فزع اور غم کی شدت سے دفن سے پہلے محسوس ہو تو پھر پہلے تعزیت و تسلی ضروری ہے۔ تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے اس لئے کہ تعزیت کا مقصد غم زدہ کو تسلی دینا ہے اور عام طور پر تین دن کے بعد غم کا احساس ہلکا ہو جاتا ہے لہذا پھر تعزیت کے ذریعے تین دن کے بعد غم کی تجدید نہیں کرنی چاہئے البتہ اگر تعزیت کرنے والا یا جس سے تعزیت کی جارہی ہے ان دونوں میں سے کوئی ایک غائب تھا یعنی تین دن کے بعد آیا تو پھر تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی اسی شہر میں تھا لیکن اس کو انتقال کی خبر نہیں ہوئی تو وہ بھی غائب کے حکم میں ہے اس قسم کے آدمی کے لئے اس کے آنے یا اس کو علم ہونے کے بعد سے تین دن معتبر ہوں گے۔

## تعزیت کے الفاظ

تعزیت ان تمام جائز الفاظ سے کرنا جائز ہے جن سے غم زدہ کو تسلی حاصل ہوتی ہو اور



وہ تسلی اور صبر پر برانگیختہ کرنے میں معاون ہوں البتہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو منقول ہیں چنانچہ منقول ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بچہ فوت ہوا غالباً وہ مدینہ منورہ سے باہر تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تعزیت کا خط لکھا جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور حمد سلام کے بعد لکھا کہ:

"اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اجر کو بڑھائے اور تمہیں صبر عطا فرمائے اور ہم سب کو شکر کی توفیق مرحمت فرمائے بے شک ہمارے اموال اور اہل وعیال اللہ تبارک وتعالیٰ کا عطیہ اور مستعاری ہوئی امانت ہیں جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک وقت مقرر تک ہمیں فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور پھر وقت مقررہ پر اللہ تعالیٰ اپنی امانت کو واپس لے لیتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا فرمائے تو ہم پر شکر واجب ہے اور اگر وہ کسی ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیں تو ہم پر صبر واجب ہے۔ بے شک تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا عطیہ تھا اور اس کی امانت تھی اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا تمہیں اس پر خوش رکھا اور پھر جب چاہا اجر کثیر کے ساتھ اس کو لے لیا۔ یعنی اس کی موت کو تمہارے لئے باعث اجر و ثواب بنادیا۔ تمہارے لئے باعث ہدایت و رحمت ہوگا اگر تم نے صبر اور ثواب کی امید کی پس تمہیں چاہئے کہ صبر کرو کہیں تمہارا رونا دھونا تمہارے اجر کو ختم نہ کر ڈالے پھر تمہیں ندامت ہوگی۔ جان لو کہ رونا دھونا میت کو لوٹا نہیں سکتا ہے اور نہ غم کی شدت کو ختم کر سکتا ہے۔ جو مصیبت آنے والی ہوتی ہے وہ آکر رہتی ہے۔ والسلام"

(اخرجہ الحاکم وقال غریب حسن و ابن مردویہ والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیہ مجاشع بن عمرو ضعیف)

حضرت اسامہ بن زید سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے کسی ایک نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے بچے یا بچی کا آخری وقت ہے آپ تشریف لائیے۔ آپ نے پیغام لانے والے سے ارشاد فرمایا کہ ان کو میرا سلام کہہ دو اور بتا دو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو لے لے وہ بھی اسی کا ہے اور جو عطا فرمائے وہ بھی اسی کا ہے ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے پاس ایک وقت مقرر ہے لہذا تم صبر کرو اور اجر ثواب کی امید رکھو۔

(اخرجہ السبعة الاالترمذی)

## تعزیت کا جواب

جس سے تعزیت کی جائے وہ کیا جواب دے؟ احمد بن حسن سے منقول ہے کہ امام احمد کے چچا زاد بھائی (جن کا نام عنبر تھا) کا انتقال ہو گیا تو جو شخص بھی حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعزیت کرتا آپ اس کے جواب میں فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ اس کے حق میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے اور ہم سب پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اس کے علاوہ جواب میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس عمل کا اجر دے۔

## غیر مسلم سے تعزیت

اگر کوئی غیر مسلم رشتہ دار یا پڑوسی مرجائے تو اس کی تعزیت بھی عیادت کی طرح احناف، شوافع اور جمہور کے ہاں جائز ہے مگر اس میں مرنے والے کے لئے دعاء مغفرت نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کافر کا کوئی مسلمان رشتہ دار مرجائے تو اس کے لئے دعا کرنا جائز ہے۔ جب کسی مسلمان کا رشتہ دار جو مسلمان ہو انتقال کر جائے تو اس سے یوں کہے۔ اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک اور اگر کسی مسلمان کا رشتہ دار جو کافر ہو مرجائے تو تعزیت کے لئے یوں کہے اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک اور اگر کسی کافر کا مسلمان رشتہ دار مرجائے تو اس سے یوں کہے احسن اللہ عزاءک وغفر لمیتک اور اگر کسی کافر پڑوسی وغیرہ کا کافر رشتہ دار مرجائے تو یوں کہے اسخلف اللہ علیک۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعزیت کی متعلق جواز وعدم جواز کا کوئی حکم بیان نہیں کیا بلکہ توقف اختیار کیا ہے البتہ حکم عیادت پر اس کو قیاس کر کے ان کے ہاں دو قول ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ ہمارے لئے جیسے ان کی عیادت جائز ہے اسی طرح تعزیت بھی جائز ہے یہی قول صحیح ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ اس بناء پر ہم کفار سے ان کے مسلمان رشتہ دار کی موت پر یوں تعزیت کریں گے کہ اخلف اللہ علیک۔ ایک قول یہ ہے۔ اس طرح کہا جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تجھے تیری مصیبت کا وہ بہترین بدلہ عنایت فرمائے جو تیرے ہم مذہب لوگوں کے لئے مناسب ہے۔



## تعزیت کے لئے نشست

اس عنوان کے تحت ایک نہایت اہم مسئلے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جس پر خود بھی عمل کرنا چاہئے اور اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو بھی بتانا چاہئے وہ یہ ہے کہ تعزیت کے لئے مستقل اہتمام کے ساتھ بیٹھنا امام شافعی، امام احمد اور بعض حنفی علماء رحمھم اللہ تعالیٰ کی ہاں مکروہ ہے اس لئے کہ یہ نئی ایجاد اور بدعت ہے۔ خیر القرون سے اس کا ثبوت نہیں ہے چنانچہ بہت سارے متاخرین حنفی علماء سے منقول ہے کہ اہل میت کے ہاں اجتماع کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اہل میت کے گھر میں یا اور کسی خاص مقام پر بیٹھنا تاکہ لوگ وہاں آکر ان سے تعزیت کریں مکروہ ہے بلکہ جب کفن دفن سے فراغت ہو جائے تو پھر ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جائے اجتماع کر کے بیٹھنا اور مجلس بنانا جائز اور ثابت نہیں ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لئے اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کے لئے یکساں حکم ہے۔ (نوٹ از مترجم)

فتاوی ہندیہ میں فتاوی ظہیریہ معراج الدرایۃ اور خزانۃ الفتاوی کے حوالے سے تعزیت کے لئے کسی خاص مقام پر تین دن تک بیٹھنے کو جائز لکھا ہے۔

(ص ۱۲۷ ج ۱)

اما شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ میں ماتم کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ ماتم اجتماع کو کہتے ہیں۔ اگرچہ رونا وغیرہ نہ ہو اس لئے کہ اس طرح بیٹھنا تجدید حزن و غم کا باعث بنتا ہے اور سب کے لئے باعث مشقت بھی ہوتا ہے۔ متقدمین علماء احناف فرماتے ہیں کہ مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ تعزیت کے لئے بیٹھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی ناجائز امر کا ارتکاب نہ کرنا پڑے جیسے کہ لوگ فرش و قالین بچھاتے ہیں، سگریٹ حقہ اور چائے وغیرہ کے دور چلتے ہیں، کھانے پکتے ہیں اور کھائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے امور خوشی کے موقعہ پر ہوتے ہیں اگرچہ اس موقعہ پر بھی اس قسم کی رسوم ناجائز ہیں لیکن غم کے موقعہ پر تو یہ امور شرع اور عقل سلیم دونوں کے خلاف ہیں۔

علامہ محمود الخطاب المالکی نے نقل کیا ہے کہ تعزیت کے لئے بغیر تعین مدت کے بیٹھنا جائز ہے۔

یہ جاننا چاہئے کہ تعزیت کے لئے بیٹھنے یا نہ بیٹھنے کے متعلق علماء کا جو اختلاف ہے یہ

اس صورت میں ہے کہ مجلس میں کوئی ناجائز کام نہ ہو رہا ہو اگر اس قسم کی مجالس میں کوئی ناجائز بات یا کام ہو رہا ہو تو پھر اس کے ناجائز ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں اس قسم کی مجالس میں بہت سارے ناجائز کام ہوتے ہیں مثلاً بعض ملکوں میں اس قسم کی مجالس میں اجرت پر قرآن کریم پڑھنے والوں کو بلایا جاتا ہے تاکہ میت کو ایصال ثواب بھی ہو اور حاضرین مجلس بھی تلاوت سنیں اس قسم کی مجالس شہروں میں عام طور پر سڑکوں پر یا عام راستوں میں ہوتی ہیں جس میں سگریٹ نوشی، شور و شغب، غیبت و چغلی اور غیر اسلامی کلام اور افعال وغیرہ ہوتے ہیں اور قرآن کریم پڑھنے والے کو بھی تشویش میں ڈالتے ہیں اسی طرح چائے اور قہوے کا دور بھی چلتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی مجالس ناجائز اور باعث گناہ ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور سلف صالحین سے اس قسم کی مجالس کا ثبوت نہیں ہے اور پھر گندگی کے مقامات پر قرآن کریم کا پڑھنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح راستوں اور گذرگاہوں میں قرآن کریم پڑھنا اس کی توہین کا باعث بنتا ہے، فرشتے اور عقل مند اور پاکیزہ طبیعت لوگ اس قسم کی مجالس سے نفرت کرتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو عقل و شعور رکھتے ہیں اور مسلمان ہیں وہ کس طرح اس قسم کے امور کا ارتکاب کرتے ہیں، قرآن کریم اور تورات دونوں میں یہ حکم موجود ہے کہ جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام پڑھا جائے نہایت وقار، خشوع و خضوع اور تدبر و تفکر کے ساتھ اس کو سنا جائے تاکہ رحمت و ہدایت اور قرآن کریم کی سمجھ و فقاہت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ،

"جب قرآن کریم پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"

(سورہ اعراف آیت ۲۰۴)

ایک اور آیت میں ارشاد ہے کہ:

"یہ لوگ قرآن پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں"

(سورۃ محمد آیت ۲۴)

تورات میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح منقول ہے کہ:

"اے بندے کیا تو مجھ سے حیا نہیں کرتا ہے تمہارے پاس دوستوں یا رشتہ داروں



میں سے کسی کا خط آتا ہے اور تم راستے میں ہو تو راستے سے ایک طرف ہٹ کر بیٹھ جاتے ہو اور پورے خط کو پڑھتے ہو اور نہایت اطمینان و اہتمام سے ایک ایک حرف سمجھ کر پڑھتے ہو، ایک حرف بھی بغیر سمجھے نہیں چھوڑتے ہو، یہ میری کتاب جو میں نے تمہاری طرف اتاری ہے دیکھو اس میں کتنے احکام میں نے تمہارے لئے کھول کر تفصیل سے بار بار تکرار کے ساتھ بیان کئے ہیں تاکہ تم اس کے طول و عرض میں خوب غور کر لو لیکن پھر بھی تم اس کے پڑھنے اور سمجھنے سے اعراض کرتے ہو کیا تمہارے نزدیک میری ذات تمہارے دوستوں سے بھی کم تر ہے"

"اے میرے بندے جب تمہارے پاس تمہارے دوستوں میں سے کوئی آتا ہے تو تم خوشی کے ساتھ پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہو اور اس کی باتیں سنتے ہو اور دل کے کان کھول کر اس کی باتیں سنتے ہو اگر تمہارا دوست تم سے گفتگو کر رہا ہو اور درمیان میں کوئی بات کرے یا کوئی مشغولیت پیش آئے تو تم بات کرنے والے کو چپ کرا دیتے ہو اور مشغولیت کو چھوڑ دیتے ہو اور اس کی باتیں سنتے ہو، یہ دیکھو میں تمہاری طرف متوجہ ہوا ہوں اور تم سے بات کر رہا ہوں لیکن تم دل سے متوجہ نہیں ہوتے ہو اور اعراض کرتے ہو کیا تم نے مجھے اپنے دوستوں سے بھی کم تر جانا ہے۔"

اسی طرح سگریٹ پینا ویسے عام حالات میں بھی جائز نہیں کجا یہ کہ قرآن پڑھنے کی مجالس میں پی جائے، عام حالات میں سگریٹ پینے کے نقصانات بالکل ظاہر ہیں اور جدید طب نے بھی اس کی مضرت کی صراحت کی ہے اور پھر جو چیز انسان کی صحت کے لئے مضر ہو شریعت نے اس کے استعمال کو منع کیا ہے، سگریٹ کے متعلق ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس سے انسان کی نظر، دانتوں اور دل و اعصاب پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نیز یہ کہ اس میں اضاعت مال بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اسراف و تبذیر کا ارتکاب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ،

"بے شک مال اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"

(سورۃ اسراء آیت ۲۷)

یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہوتی ہے۔ بہت سی

اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملتا ہے، اس کو بے جا اڑانا اور خرچ کرنا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک و گمراہی سے آدمی کرتا ہے اسی طرح انسان ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے، جس طرح شیطان نے اللہ جل شانہ کی بخشی ہوئی قوتوں کو گناہ و گمراہی میں خرچ کیا اس طرح بے جا مال خرچ کرنے والے نے بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت یعنی مال کو نافرمانی میں اڑایا اور شیطان کے ساتھ مشابہت اختیار کی، اگر ہم کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ دریا میں روپیہ پھینک رہا ہو تو ہم اس کو پاگل سمجھیں گے حالانکہ اس سے زیادہ پاگل پن یہی ہے کہ خود اپنے پیسے سے ایسی چیز خرید کر استعمال کی جائے کہ جس سے مالی نقصان بھی ہو اور خود آدمی کو جسمانی طور پر بھی اس سے سخت نقصان ملے اور پھر اس کے اس عمل سے خصوصاً فرشتوں کے لئے باعث ایذا و تکلیف ہوتی ہے حالانکہ بحیثیت ایک مسلمان ہمیں دوسرے مسلمانوں اور فرشتوں کی عزت کا حکم ہے اور یہ کہ کوئی ایسا کام ہرگز نہ کریں جو دوسروں کے لئے باعث ایذاء تکلیف ہو۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی پیاز یا لہسن کھائے وہ ہم سے الگ رہے یا یوں ارشاد فرمایا وہ ہماری مسجدوں سے الگ اور دور رہے اور اپنے گھر میں منتظر رہے یعنی جب تک بدبو ختم نہ ہو مسجد نہ آئے۔

(اخرجہ الشیخان وابوداؤد)

یہ بات تو واضح ہے سگریٹ پینے والے کے منہ سے جو بدبو آتی ہے وہ پیاز و لہسن کی بدبو سے اگر زیادہ نہیں تو کم بھی کسی طرح نہیں ہے، لہذا اس حدیث مبارک میں جو حکم مذکورہ اشیاء کے لئے ہے وہی حکم سگریٹ کے لئے بھی ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت کے بعد ایک دفعہ ہمیں بھوک محسوس ہوئی سفر میں تھے کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا تو ہم لوگوں نے پیاز و لہسن اور گندنا وغیرہ کھایا جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا فرمایا کہ جس نے بھی ان بدبو دار سبزیوں میں سے کچھ کھایا ہو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، بے شک فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(اخرجہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کو ایذاء اور تکلیف پہنچائی اس نے گویا مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچائی۔

(اخرجہ الطبرانی فی الاوسط بسند حسن)

## چہلم اور برسی

بدترین بدعتوں میں سے چہلم اور برسی ہے یہ دونوں ناجائز اور گناہ ہیں اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تابعین اور تبع تابعین کے ادوار مبارکہ سے ان اعمال کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ فقہاء کرام اور آئمہ مجتہدین کے دور میں یہ عمل معروف تھے۔ اس میں بہت سارے دینی اور دنیوی مفاسد ہیں، عقل اور نقل دونوں اس کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں، اس لئے کہ اتباع سلف ہی میں خیر ہے خود اپنی طرف سے اعمال ایجاد کر کے اس کو دین کا نام دینا اور ثواب کی نیت سے اس پر عمل کرنے میں سوائے برائی اور خسارے کے کچھ نہیں۔

ان احکام کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان ان سے اچھی طرح واقف ہو جائے اور بوقت ضرورت وہ اپنے پڑوسی کو سمجھا سکے اس لئے کہ بعض دفعہ پڑوسی یا تو ان احکام سے واقف نہیں ہوتا یا خاندان اور علاقائی اثرات کی وجہ سے ان رسوم میں مبتلا ہو کر ان کو حق سمجھتا ہے اور ان رسوم و بدعات کا دفاع بھی کرتا ہے جن میں دنیوی اور دینی خسارے کے علاوہ کچھ فائدہ نہیں بعض لوگ تو ان رسوم کے اتنے پابند ہوتے ہیں کہ اگر ان کے پاس رقم نہیں ہوتی تو قرض لے کر ان رسوم کی ادائیگی میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان جیسے ناجائز امور میں اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کی معاونت ہرگز نہ کرے بلکہ حکمت کے ساتھ ان کو سمجھائے اور ان خرافات سے روکے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی سے محفوظ رہ سکے۔ اس قسم کے امور چونکہ میت کے لئے نافع نہیں اس لئے اگر میت نے وصیت بھی کی ہو تو بھی ان کی وصیت کو پورا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس قسم کی ناجائز وصیت کرنے سے میت کے لئے عذاب کا خدشہ ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ خیر کے کاموں میں معاونت کرے اور برائی کے کاموں میں بدعات و خرافات میں ہرگز معاونت نہ کرے مثلاً اگر کسی کا والد

اس کو اس قسم کی وصیت کرے تو اس کو سمجھایا جائے کہ والدین کی اس قسم کی وصیتوں پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں جس میں شریعت کی خلاف ورزی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو بلکہ اگر وہ غنی ہو تو اس کو والدین کے لئے ایصال ثواب کے جائز طریقے بتا دیئے جائیں تاکہ وہ ان جائز طریقوں سے والدین کے لئے ایصال ثواب کر سکے جو آخرت میں ان کے لئے نفع کا باعث ہوں مثلاً کسی مسجد کی تعمیر، غریبوں کے علاج کے لئے ہسپتال اور کسی دینی مدرسہ میں رقم کو خرچ کرے یا اس قسم کے دوسرے مناسب کاموں میں خرچ کر کے والدین کو ایصال ثواب کرے۔ پڑوسی کو بتانا چاہئے کہ اگر شریعت کے احکام کے ماتحت رہ کر ایصال ثواب کریں گے تو یقیناً ان کو ثواب پہنچے گا جن کو ایصال ثواب کرنا مقصود ہے۔ اس طرح جائز بات کی تعلیم پر آپ کو بھی ثواب ملے گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ خیر کے کام پر دلالت کرنیوالے کو بھی اتنا ثواب ملتا ہے جتنا کہ اس کام کے کرنے والے کو ملتا ہے۔

اسی طرح ہر پڑوسی کی ذمہ داری ہے کہ جب اس کے پڑوسی کو حزن و غم لاحق ہو تو وہ اس کے غم میں شریک ہو اور قرآن و حدیث میں صبر کرنے اور مصیبتوں پر ثواب ملنے اور درجات بلند ہونے کی جو آیات و احادیث ہیں وہ اس کو سنائے تاکہ اس کا غم ہلکا ہو جائے، مثلاً اس کو قرآن کریم کی یہ آیت سنائے،

"وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوت من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔

"اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو مصیبت تو کہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور یہی لوگ ہیں ہدایت پر"

(سورۃ بقرۃ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷)

یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفران نعمت نہیں کیا بلکہ ان مصائب کو صبر کر کے ذکر و شکر کا وسیلہ بنایا تو ان کے لئے بشارتیں ہیں۔

حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ مومن کا معاملہ تعجب انگیز ہے اور اس کے سب حالات و معاملات اس کے لئے باعث خیر ہیں، یہ خصوصیت مومن کے علاوہ اور



کسی کی نہیں، اگر اس کو کوئی خوشی و سرور حاصل ہو تو شکر ادا کر کے ثواب حاصل کرے اور اگر خدانخواستہ کوئی مصیبت اور ضرر آئے تو صبر کر کے ثواب حاصل کرے۔

(رواہ مسلم)

کسی عربی شاعر نے کہا ہے کہ،

لو کانت الدنیا تدوم لواحد
لکان رسول اللہ فیھا مخلداً

"اگر یہ دنیا کسی کے لئے ہمیشہ رہنے والی ہوتی تو پھر رسول اللہ ﷺ ہمیشہ رہتے"

## غم رسیدہ آدمی کے لئے کھانے کا انتظام کرنا

تعزیت کے مسائل کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ جو پڑوسیوں کے حقوق سے بھی تعلق رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پڑوس میں کسی کا انتقال ہو جائے تو مصیبت زدہ یعنی غم رسیدہ شخص اور اس کے اہل و عیال کے لئے کھانے کا انتظام کرنا مستحب ہے اور احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

علامہ محمود خطاب سبکی اپنی کتاب الدین الخالص ج ۸ میں لکھتے ہیں کہ آئمۃ اربعہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے ان کے رشتہ دار اور پڑوسی کھانے کا انتظام کریں اس لئے کہ وہ غم و مصیبت کی وجہ سے اپنے لئے کھانے کا انتظام نہیں کر سکتے۔ نیز یہ کہ تجہیز و تکفین میں مشغولیت بھی ان کے لئے کھانے کا از خود انتظام کرنے سے مانع ہے۔ اس لئے ان کے لئے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی طرف سے کھانے کا انتظام نیکی اور احسان سمجھا جائے گا اور اس میں ان کے لئے ایک گونہ تسلی بھی ہے اسی بناء پر یہ عمل باعث ثواب ہے اس کے متعلق متعدد احادیث نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب میرے والد حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو نبی اکرم ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ تم جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں کے لئے کھانا پکاؤ بے شک ان پر غم آیا ہے جس نے ان کو مشغول کر رکھا ہے۔

(اخرجہ احمد)

حضرت عروۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے متعلق نقل کیا ہے کہ ان کے

خاندان میں جب کسی کا انتقال ہوتا اور عورتیں وغیرہ جمع ہو جاتیں تو جب دوسری عورتیں چلی جاتیں، اور صرف گھر کی عورتیں باقی رہ جاتیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک کھانا پکواتیں جس کو تلبینہ کہتے ہیں، پھر روٹی کو ثرید بنا کر تلبینہ اس کے اوپر ڈال کر دیا جاتا پھر فرماتیں کہ یہ کھاؤ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ تلبینہ مریض کے دل کے لئے باعث تقویت ہے اور حزن و غم کو ختم کر دیتی ہے۔

(اخرجہ احمد والشیخان)

یہ کھانا جو اہل میت کے لئے پکایا جاتا ہے صرف دو وقت کے لئے ہے یعنی صبح و شام کے لئے اس لئے کہ عام طور پر غم و حزن کی وجہ سے آدمی ایک دن تک کھانے کے انتظام سے قاصر و مشغول رہتا ہے اس کے بعد یہ خود کھانے پینے کا انتظام کر لیتا ہے۔

مسنون و مستحب یہ ہے کہ کھانا پکا کر پھر اصرار کر کے ان کو کھلایا جائے کیونکہ غم و حزن یا حیاء کی وجہ سے (کہ لوگ طعنہ نہ دیں کہ ان کو غم ہی نہیں کہ کھانا شروع کر دیا) وہ نہیں کھاتے۔ اگر میت کے گھر میں ناجائز امور ہو رہے ہوں مثلاً نوحہ اور عورتیں جمع ہوں تو اس قسم کی عورتوں کے لئے کھانے کا انتظام کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

البتہ یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ اہل میت کی طرف سے تین دن تک کھانا پکا کر لوگوں کو جمع کرنا اور کھلانا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر تعزیت کے لئے کچھ لوگ دور سے آئے ہوں اور ان کے کھانے کا انتظام دوسری جگہ نہ ہو سکتا ہو تو ان کے لئے اہل میت کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنا جائز ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ہم یعنی صحابہ کرام کا اجماع تھا یعنی کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں تھا، اور حکم کے لحاظ سے یہ حدیث مرفوع ہے یعنی گویا کہ یہ حکم نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام میت کے دفن کرنے کے بعد دوبارہ میت کے گھر آ کر جمع ہونے اور وہاں کھانا پکانے اور کھانے کو غیر شرعی اور ناجائز بلکہ ماتم کے حکم میں سمجھتے تھے یعنی اس عمل کو بھی ناجائز جانتے تھے اس لئے کہ اس طرح اہل میت پر ایک اضافی اور غیر شرعی بوجھ ڈالنا ہے جبکہ وہ غم و حزن میں مشغول ہیں اسی



طرح یہ عمل سنت کے خلاف ہے اس لئے کہ از روئے حدیث اس موقع پر سنت یہ ہے کہ پڑوسی اور رشتہ دار اپنے گھروں میں کھانا پکا کر ان کو کھلائیں نہ یہ کہ ان سے کھائیں اس طرح اصل حکم بدل جاتا ہے۔

تین دن تک اہل میت کے گھر میں اس طرح کھانا پکانا کہ دوسروں کو بھی دعوت دی جائے اور کھانا کھلایا جائے اس کے ناجائز ہونے پر چاروں مذاہب کے علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر و مشہور کتاب، شرح المنیۃ میں لکھا ہے کہ میت کے گھر میں اہل میت کی جانب سے پہلے دن یا تیسرے دن یا ہفتے کے بعد کھانا پکانا اور لوگوں کو جمع کرنا یا کھانا پکا کر قبرستان لے جانا عرس اور برسی وغیرہ یا ایصال ثواب کے ختم کے لئے کھانے کی دعوت کرنا، قاریوں اور نیک لوگوں کو ختم قرآن کے لئے یا سورہ انعام و سورہ اخلاص کے ختم کیلئے جمع کرنا مکروہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ختم قرآن کریم کے موقعہ پر دعوت کرنا مکروہ اور ناجائز ہے البتہ اگر کھانا پکا کر الگ سے فقراء کو کسی دن یا وقت کی تخصیص کے بغیر کھلا دیا جائے تو باعث ثواب ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی دعوتیں عام طور پر دکھلاوے اور شہرت کے لئے کی جاتی ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں ہوتیں اس لئے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً جب کہ ایصال ثواب وغیرہ کی دعوت مال میراث اور مشترک مال سے کی جائے تو اس صورت میں اگر ورثہ میں کوئی نابالغ ہو یا غائب ہو یا دعوت اور کسی ناجائز کام پر مشتمل ہو تو پھر اس قسم کی دعوت بالاتفاق حرام ہے۔ ایصال ثواب کے لئے کھانا پکا کر فقراء کو کھلانے کا جواز فقط اس صورت میں ہے جب مذکورہ بالا ناجائز امور میں سے کوئی امر موجود نہ ہو۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ ہو یا غائب ہو یا دعوت میں اور کوئی ناجائز امر موجود ہو جیسے زیادہ چراغ جلائے گئے ہوں یعنی چراغاں کیا گیا ہو یا اس میں ڈھول پٹے اور گانے وغیرہ گائے جاتے ہوں، عورتیں اور بے ریش لڑکے وغیرہ جمع ہوتے ہوں یا ذکر و تلاوت پر اجرت لی جاتی ہو تو ان سب صورتوں میں اس قسم کی دعوت و مجلس کی حرمت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اس قسم کے امور از خود انجام دینا بھی ناجائز ہیں اور اس پر میت کی طرف سے وصیت کرنا بھی باطل ہے

یعنی اس قسم کی وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

علماء مالکیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اہل میت کے ہاں کھانے پر اجتماع مکروہ اور بدعت ہے یہ کراہت بھی اس صورت میں ہے جب ورثاء میں نابالغ نہ ہوں اگر ورثاء میں کوئی نابالغ بھی ہو اور دعوت مال میراث سے ہو تو پھر حرام ہے۔ موجودہ دور میں بعض علاقوں میں اس قسم کی مجالس میں چراغاں کیا جاتا ہے اور میت کے گھر میں اس مجلس میں قہوے اور چائے کا دور چلتا ہے، لوگ ناجائز باتوں میں مشغول ہوتے ہیں مال اور وقت ضائع کرتے ہیں اور فخرو مباہات کے لئے اس قسم کی مجالس منعقد کرتے ہیں جس کو مٹی میں دفن کر چکے ہوتے ہیں نہ اس کا خیال ہوتا ہے اور نہ اپنی موت کی فکر، نہ قبر کی نعمتوں اور عذاب کا خیال ہوتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان لوگوں کو اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ آئندہ کوئی شخص بھی نہیں مرے گا، غرض یہ پورے طور پر خوشی کی مجلس ہوتی ہے، خواہشات نفسانی نے لوگوں کو اندھا اور بہرا بنا دیا ہے، اگر ان سے ان کے اس عمل کی شرعی حیثیت کے متعلق دلیل طلب کی جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ایک عادت چلی آرہی ہے اور لوگ اس پر فخر کرتے ہیں اور اس عمل کو لوگ محمود اور اچھا جانتے ہیں اس لئے ہم یہ کام کرتے ہیں اب ہر عاقل و سمجھدار آدمی اگر اس پر غور کرے تو واضح ہو گا کہ اس میں کوئی خیر نہیں بلکہ برائی ہی برائی اور شر ہی شر ہے اور دنیا و آخرت کا زیاں اور خسارہ ہے نہ اس عمل کا کوئی دنیاوی فائدہ ہے اور نہ ہی اخروی۔

لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان سب امور میں احکام شرع کا لحاظ رکھے اور ہر جائز و ناجائز کام کا اس کو علم ہونا چاہئے کہ کہیں خود بھی احکام شرعیہ کی مخالفت نہ کر بیٹھے اور دوسروں کو بھی صحیح بات بتا سکے، اس قسم کی مجالس اگر رشتہ داروں میں یا پڑوس میں ہوں تو نہ اس میں شرکت کرے اور نہ کسی قسم کا تعاون کرے کیونکہ پھر وہ خود بھی اس گناہ میں شرعاً شریک سمجھا جائے گا البتہ اس کا خیال رکھے کہ شرعاً ایسے موقعوں پر ایک رشتہ دار یا پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کی جو ذمہ داری ہیں وہ احسن طریقے سے پوری کرے۔

اس سلسلے میں امام شافعی کی ان نصائح کو مدنظر رکھنا چاہئے جو انہوں نے مشہور محدث حضرت عبدالرحمن بن مہدی کے بیٹے کے انتقال پر ان کو خط میں لکھی تھیں، فرمایا کہ:

"اے بھائی اپنے آپ کو بھی اس طرح ان الفاظ سے تسلی دو جن الفاظ سے اور جس



طرح تم دوسروں کو ایسے موقعوں پر تسلی دیتے ہو اور اپنے لئے بھی ان اقوال و افعال کو قبیح جانو جو ایسے موقعوں پر تم دوسروں کے لئے قبیح اور برا جانتے ہو، یہ جان لو کہ سب سے بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ آدمی سرور و خوشی اور اجر و ثواب دونوں سے محروم ہو جائے اور اگر ان دونوں کے ساتھ گناہ بھی مل جائے تو یہ کتنا بڑا خسارا ہے کہ خوشی و اجر سے بھی محروم ہوا اور گناہ کا بھی ارتکاب کر لیا پس اے بھائی جب ثواب تیرے قریب آجائے یعنی جب ثواب حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ آجائے تو اس میں سے اپنا حصہ جلدی سے حاصل کر لے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ثواب کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے اور دور ہو جائے اور پھر باوجود خواہش کے تم اس کو حاصل نہ کر سکو، اللہ تعالیٰ تجھے مصائب کے وقت صبر کرنے کی توفیق دے اور ہم سب کے لئے مصیبتوں پر صبر کرنے کا اجر محفوظ رکھے۔ آمین"

پھر ان کو خط میں یہ اشعار لکھے،

انی معزیک لا انی علی ثقة
من الخلود ولکن سنة الدین
فما المعزی بباق بعد میتہ
ولا المعزی وان عاشا الی حین

"میں تم سے تعزیت کرتا ہوں لیکن اس لئے نہیں کہ مجھے خود ہمیشہ زندہ رہنے کا گمان و اعتقاد ہے البتہ یہ دین کا حکم اور طریقہ ہے۔ نہ وہ ہمیشہ باقی اور زندہ رہے گا جس سے اس کی میت پر تعزیت کی جارہی ہے اور نہ تعزیت کرنے والا ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے اور آپ کو اتباع دین کی محبت اور جذبے سے نوازے اور ہم دونوں کو بدعت کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔

## کفن دفن اور جنازہ کے احکام

حدیث میں مسلمان پڑوسی کا یہ حق بیان کیا گیا ہے کہ جب پڑوسی کا انتقال ہو جائے تو تم اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جاؤ اور دفن تک وہیں رہو یعنی کفن دفن کے امور میں مدد کرو، یہ حق پڑوسی کے حقوق میں سے اہم حق ہے خاص کر اس صورت میں

کہ جب پڑوسی مسلمان ہو یہ ان حقوق میں سے ہیں جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں پہلے دو حدیث آپ کے سامنے بیان کی جاتی ہے جس میں جنازے کے ساتھ جانے کی ترغیب و فضائل کا ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جنازے کے مشایعت کی اور نماز جنازہ پڑھ کر واپس گھر لوٹا تو اس کو ایک قیراط اجر ملے گا اور جس نے دفن تک مشایعت کی اس کو دو قیراط اجر ملے گا کم مرتبہ قیراط بھی احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔

(اخرجہ الجماعۃ وقال الترمذی حسن صحیح)

حضرت خباب (جو صاحب المقصورہ کے لقب سے مشہور ہیں) سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم جنازے میں شریک تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ بالا حدیث بیان کی تو میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متوجہ کیا کہ ذرا سنیئے تو ابو ہریرہ کیا بیان فرما رہے ہیں؟ کہ جو شخص جنازے کے ساتھ میت کے گھر سے نکلا اور پھر دفن تک جنازے کے ساتھ رہا اس کو دو قیراط اجر ملے گا اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جس نے صرف نماز جنازہ پڑھی اور واپس لوٹ آیا اس کو ایک قیراط اجر ملے گا جو احد پہاڑ کے برابر ہوگا) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کی تحقیق کے لئے حضرت خباب کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بھیجا کہ ذرا ان سے پوچھ آؤ کہ حضرت ابو ہریرہ جو حدیث بیان کرتے ہیں کیا آپ نے بھی سنی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق کی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ ہم نے تو بہت سارے ثواب کے حاصل کرنے میں کوتاہی کی، کیونکہ ابن عمر جنازہ پڑھ کر گھر واپس چلے جاتے اور جنازے کے ساتھ قبرستان تک نہیں جایا کرتے تھے، یہ حدیث سن کر انہوں نے یہ معمول بنالیا کہ قبرستان تک جاتے اور دفن تک ٹھہرے رہتے۔

(اخرجہ احمد وابوداؤد والبیہقی ومسلم)

اب ہم جنازہ اٹھا کر لے جانے کے متعلق کچھ اہم احکام ذکر کریں گے تاکہ ہر



مسلمان ان امور کے متعلق طریقہ مسنون جان کر اس پر عمل کرے۔ یہ احکام استاذ سید سابق کی کتاب "فقہ السنۃ" سے کچھ تصرف کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) سنت یہ ہے کہ آدمی جنازے کے ساتھ رہے اور اس کے اٹھانے میں شریک ہو، اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں جانب سے شروع کر کے چاروں جانب سے اٹھائے۔ چنانچہ سنن ابن ماجہ بیہقی اور مسند ابو داؤد الطیالسی میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جو شخص جنازے کے مشایعت کرے اس کو چاہئے کہ جنازے کی چارپائی کو چاروں جانب سے اٹھائے یہی طریقہ مسنون ہے یعنی نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مریضوں کی عیادت کیا کرو اور جنازوں کی مشایعت کیا کرو، یہ عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے گا۔

(رواہ احمد ورجال ثقات)

(۲) مسنون و مستحب ہے کہ جنازہ لے جانے میں جلدی کی جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دفن کے واسطے جنازہ لے جانے میں جلدی کیا کرو، اگر وہ نیک آدمی کا جنازہ ہے تو تم اس کو خیر کی طرف لے جا رہے ہو اور اگر وہ برے اور گناہ گار کا جنازہ ہے تو پھر برائی ہے جسے جلدی پہنچا کر اپنی گردنوں سے اتارو یعنی دونوں صورتوں میں جلدی کرنا ہی بہتر ہے۔

مسند امام احمد اور سنن نسائی میں روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ ہم جب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنازے میں ہوتے تو جنازے کو رمل کرتے ہوئے لے جاتے یعنی جیسے طواف میں رمل کرتے ہوئے (کندھوں کو ہلاتے ہوئے) دوڑ کر چلتے ہیں۔

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں صحابہ کرام سے نقل کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے میں ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اتنے تیز چل رہے تھے کہ ہماری جوتیوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمام روایات کے خلاصے سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کو جلدی لے جانا چاہئے لیکن اتنا

تیز بھی نہ چلیں کہ چارپائی سے میت کے گرنے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا اٹھانے والوں اور مشایعت کرنے والوں کو تکلیف محسوس ہو یا میت کو جنازے میں اچھالا جائے کہ اس کے بدن سے کچھ گندگی نکلے اس لئے کہ اس نظافت کو برقرار رکھنا اور مسلمان کو مشقت سے بچانا شرعی حکم ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ انتقال کے بعد جلد از جلد دفن کا انتظام کرنا چاہئے اور تاخیر نہیں کرنی چاہئے عام طور پر لوگ فخر و ریاء کے کاموں کے لئے تاخیر کرتے ہیں۔

جنازے کے ساتھ مشایعت کرتے وقت جنازے سے آگے پیچھے دائیں اور بائیں اس کے قریب چلنا جائز ہے البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ افضل طریقہ کیا ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ جنازے سے آگے چلنا افضل و بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنازے کے آگے چلا کرتے تھے۔

(رواہ احمد واصحاب السنن)

لیکن علماء احناف کے ہاں جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے باقی نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جنازے سے آگے چلنا اس لئے تھا کہ آپ کے پیچھے چلنے کی وجہ سے لوگوں کو حرج نہ ہو' یہ اس لئے بھی افضل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جنازہ کے اتباع کا حکم دیا ہے اور اتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں طریقے یکساں طور پر جائز ہیں اور اس میں افضل و غیر افضل کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جو آدمی سواری پر سوار ہو کر جنازے کی مشایعت کرے وہ جنازے کے پیچھے چلے اور پیدل مشایعت کرنے والا چاہے آگے چلے یا پیچھے اور دائیں بائیں لیکن جنازے کے قریب چلے۔

مجموعہ احادیث سے اس میں توسع معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں جواز، عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے اس لئے اس میں سختی نہیں کرنی چاہئے بلکہ تساہل سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن ابزی سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنازے کی مشایعت کرتے ہوئے جنازے سے آگے جایا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ



تعالیٰ عنہ جنازے کے پیچھے جایا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ وہ دونوں حضرات تو جنازے کے آگے چلتے ہیں آپ کیوں آگے نہیں چلتے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرات بھی جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے بنسبت آگے چلنے کے جیسے کہ جماعت کی نماز افضل ہے انفرادی نماز سے، لیکن دوسرے لوگوں کی آسانی کے لئے آگے چل رہے ہیں تاکہ ان کے پیچھے چلنے کی وجہ سے دوسرے لوگ حرج و تکلیف محسوس نہ کریں۔

(رواہ البیہقی وابن ابی شیبۃ قال الحافظ وسندہ حسن)

بلا عذر جنازے کی مشایعت کرتے ہوئے سوار ہونے کو اکثر علماء نے مکروہ کہا ہے البتہ دفن کے بعد واپسی کے موقعہ پر سوار ہونا جائز ہے حضرت ثوبان کی روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ جنازے کے ساتھ جارہے تھے آپ کو سواری پیش کی گئی، آپ نے سوار ہونے سے انکار کر دیا لیکن جب دفن کے بعد واپس ہونے لگے تب سواری لائی گئی تو آپ سوار ہو گئے، کسی نے پوچھا کہ پہلے تو آپ ﷺ نے سوار ہونے سے انکار کیا تھا اور اب سوار ہو گئے؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک جنازے کے ساتھ فرشتے بھی چل رہے تھے اس لئے ان کے احترام میں سوار نہیں ہوا لیکن واپسی کے وقت وہ جا چکے تھے اس لئے میں نے سواری استعمال کی۔

(رواہ ابوداؤد والبیہقی والحاکم وقال صحیح)

اسی طرح ابن الدحداح کے جنازے کے ساتھ آپ پیدل گئے تھے اور واپسی میں سواری پر سوار ہو کر تشریف لائے۔

(رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

اس مذکورہ بالا حکم پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ پہلے تو حدیث میں گذرا تھا کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے جس سے جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہو جو کسی ضرورت اور عذر کی بناء پر سواری استعمال کرتا ہو مثلاً کوئی شخص بیماری یا چوٹ وغیرہ کی وجہ سے پیدل نہ چل سکتا ہو تو اس کے لئے سوار ہونا بغیر کراہت کے جائز ہے اور حکم یہی ہے کہ وہ جنازے کے پیچھے چلے۔ علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ جنازے کی مشایعت سواری پر بھی بلا کراہت جائز ہے البتہ افضل یہ ہے کہ پیدل جنازے کی

مشایعت کرے البتہ جو شخص سوار ہو کر جنازے کی مشایعت کرنا چاہے تو سنت یہ ہے کہ وہ پیچھے چلے جیسا کہ حدیث میں گذرا۔

خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے۔

جنازے کے مسائل جب بیان ہو رہے ہیں تو یہ بھی جاننا چاہئے کہ جنازے کے مسائل میں کچھ مکروہات بھی ہیں ان سے بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی سمجھانا چاہئے وہ یہ ہیں:

(۱) جنازے کے ساتھ چلنے والوں کے لئے ذکر بالجہر یا جہر سے قرآن کریم کی قرات مکروہ ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ قیس بن عباد رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سب صحابہ تین اوقات میں آواز اونچی کرنے کو ناپسند کرتے تھے:

(۱) جنازے کی مشایعت کے وقت

(۲) ذکر کرتے ہوئے

(۳) اور کفار سے جہاد و قتال کے وقت

مشہور اور کبار تابعین حضرت سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابراہیم النخعی، امام احمد و اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے اس کو مکروہ سمجھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والوں میں سے کوئی شخص اونچی آواز سے دوسروں سے کہے کہ اس میت کے لئے دعا مغفرت کرو۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ فضیل بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنازے میں تھے کہ ایک آدمی نے آواز لگائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے اس میت کے لئے دعا مغفرت کرو، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آدمی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت نہ کرے کیونکہ تم دین میں بدعت ایجاد کر رہے ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحیح مسئلہ وہی ہے جس پر سلف صالحین عمل پیرا تھے اور وہ یہ ہے کہ وہ حضرات جنازے کے ساتھ مشایعت کرتے ہوئے چپ رہا کرتے تھے۔ پس ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ نہ اونچی آواز سے قرآن کریم پڑھے اور نہ ذکر کرے بلکہ چپ رہے اور انسان کے فانی ہونے، قبر و حشر کے احوال اور سوال و جواب وغیرہ پر غور کرے اور نصیحت حاصل کرے کیونکہ اس وقت یہی مطلوب و مقصود ہے یہی بات حق



اور صحیح ہے۔ اکثر لوگ جو اس حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کی کثرت کو نہیں دیکھنا چاہئے اس لئے کہ عوام کی کثرت سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض علاقوں میں جنازے کے ساتھ قاری جنازے کے ساتھ جہراً قرات اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں یہ بھی ناجائز اور بالاجماع حرام ہے۔

فقہ السنۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جہراً ذکر کرنے کے متعلق شیخ محمد عبدہ کا ایک فتویٰ ہے، اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ عمل ناجائز اور بدعت ہے۔ چنانچہ انہوں نے فتوی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جنازے کے آگے چل کر جہر سے ذکر کرنا جیسا کہ بعض علاقوں میں ہوتا ہے کہ ایک یا دو آدمی جنازے کے آگے چلتے ہیں اور کلمہ طیبہ جہر سے پڑھتے ہیں پھر ان کی اتباع میں جنازے کے پیچھے کے آدمی یک آواز ہو کر جہر سے اس کو دہراتے ہیں یہ بدعت اور مکروہ ہے۔ اگر ذکر کرنا چاہے تو دل میں یا زبان سے آہستہ بلا آواز ذکر کیا کرے۔ جنازے کے موقعہ پر جہر سے ذکر کرنا تو ایجاد عمل ہے۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس عمل کا کوئی ثبوت کسی صحیح روایت میں نہیں ہے لہذا اس عمل کو مناسب طریقے سے منع کرنا چاہئے۔

(۲) جنازے کے ساتھ آگ لے جانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ جاہلیت کے عادات میں سے ہے۔ ابن المنذر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ عمل سب اہل علم کے ہاں ممنوع اور ناجائز ہے چنانچہ صحابہ کرام میں سے حضرت عائشہ، حضرت عبادۃ بن الصامت، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو سعید الخدری، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وصیتوں میں منقول ہے کہ ہمارے جنازے کے ساتھ آگ نہ لے جائی جائے۔

سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کے ساتھ مجمرۃ (وہ آلہ کہ جس میں آگ ہوتی ہے اور اس پر خشبو کے لئے عود کی لکڑی یا لوبان ڈالتے ہیں) نہ لے جایا جائے، لوگوں نے پوچھا کہ کیا اس بارے میں آپ نے کچھ سنا ہے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے اس کی ممانعت نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، البتہ اگر رات کو دفن کرنا ہے اور قبرستان یا راستے میں روشنی کی ضرورت ہے تو پھر اس ضرورت کے لئے چراغ وغیرہ جنازے کے ساتھ لے جانا جائز ہے۔ چنانچہ

سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک میت کی دفن میں شریک تھے، آپ قبر میں اترے تھے روشنی کرنے کے لئے چراغ جلایا گیا تھا۔

(قال الترمذی حدیث ابن عباس حدیث حسن)

(۳) جو لوگ جنازے کے ساتھ جا رہے ہیں ان کے لئے یہ نامناسب ہے کہ جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بیٹھ جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو جنازے کی مشایعت کرے تو وہ جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھے، اگر کوئی شخص بلاضرورت بیٹھ جائے تو اس کو پھر کھڑا ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے ساتھ مشایعت کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازے کے ساتھ مشایعت کرے، اسے نہیں بیٹھنا چاہئے جب تک کہ جنازہ رکھ نہ دیا جائے۔

سعید المقبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ ہم ایک جنازے میں تھے جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کا ہاتھ پکڑا اور دونوں بیٹھ گئے جبکہ جنازہ اب تک زمین پر نہیں رکھا گیا تھا حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر مروان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اٹھ جا۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم ابوہریرۃ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بھی جانتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی بات کی تصدیق کی۔ مستدرک حاکم کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مروان کو کھڑا کیا تو اس نے پوچھا کہ آپ نے مجھے کیوں کھڑا کیا، حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں مذکورہ بالا حدیث سنائی، مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے مجھے اس حدیث کی خبر کیوں نہیں دی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ تم حاکم تھے جب تم بیٹھے تو میں بھی بیٹھ گیا اور تمہیں اٹھانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہی مذہب اکثر صحابہ و تابعین اور احناف، حنابلہ، امام اوزاعی اور امام اسحاق کا ہے۔ شوافع کے ہاں یہ حکم ہے کہ جنازے کے ساتھ مشایعت کرنے والے کے لئے جنازہ



رکھے جانے سے پہلے بھی بیٹھنا جائز ہے۔ اس پر اتفاق ہے کہ جو لوگ جنازے سے پہلے قبر کے قریب پہنچیں اور بیٹھے ہوں تو ان کے لئے بیٹھے رہنا جائز ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن ترمذی میں لکھا ہے کہ بعض اہل علم اور صحابہ کرام وغیرہم سے مروی ہے کہ اگر وہ جنازے سے پہلے قبر کے پاس پہنچ جاتے تو جنازہ کے پہنچنے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے، یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی قول ہے کہ جب جنازہ پہنچے اور آدمی پہلے سے بیٹھا ہوا ہے تو وہ نہ اٹھے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پہلے سے بیٹھا ہوا آدمی اگر جنازہ پہنچنے پر اٹھ جائے تو اس میں بھی کوئی عیب نہیں اور اگر بیٹھا رہے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۴) اگر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور جنازہ ان کے قریب سے گذرے اور ان کا ارادہ بھی جنازے کی مشایعت کا نہ ہو تو ویسے صرف جنازے کے لئے اٹھنا مکروہ ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں واقد بن عمرو ابن سعد بن معاذ سے مروی ہے کہ بنو سلمۃ کے قبیلے کے ایک جنازے میں حاضر ہوا، جب جنازہ قریب سے گذرا تو میں کھڑا ہوا مجھ سے نافع بن جبیر نے کہا کہ بیٹھ جاؤ میں تمہیں دلیل بتاتا ہوں، مجھ سے مسعود بن الحکم الذارقی نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبی اکرم ﷺ ابتداءً ہمیں جنازے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم دیا کرتے تھے لیکن بعد میں آپ ﷺ خود بھی بیٹھے رہتے تھے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کا حکم دیا۔

(رواہ مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا مفہوم یوں ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو جنازے کے لئے کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہوئے پھر آپ کو بیٹھتے ہوئے دیکھا تو ہم بھی بیٹھنے لگے۔

(قال الترمذی حدیث علی حسن صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جنازے کے لئے کھڑے نہ ہونے کو صحیح قرار دیا ہے اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے ہو جاتے تھے ان کو منسوخ مانا ہے اور اس حدیث کو ان احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر قریب سے جنازہ گذرے تو آدمی چاہے کھڑا

ہو جائے اور چاہے بیٹھا رہے دونوں جائز ہیں، دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پہلے کھڑے ہوا کرتے تھے پھر آخر میں بیٹھے رہتے تھے کھڑے نہیں ہوتے تھے، یہی قول امام اسحاق بن ابراہیم کا بھی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنازے کو دیکھ کر کھڑا ہونا بعض آئمہ کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے ہاں مستحب ہے اور بعض حضرات کے ہاں اختیار ہے کہ چاہے تو کھڑا ہو جائے اور چاہے تو بیٹھا رہے، ہر امام کے پاس اپنے قول کی دلیل ہے۔

(۵) عورتوں کے لئے جنازے کے مشایعت (جنازہ کے پیچھے چلنا) جائز نہیں ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جنازے کی مشایعت سے منع فرمایا اور اس کو ہم پر واجب قرار نہیں دیا۔

(رواہ احمد والبخاری و مسلم وابن ماجہ)

سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے کے ساتھ نکلے، کچھ عورتوں کو دیکھا جو راستے میں بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا کہ ہم جنازے کے انتظار میں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میت کو غسل دے سکتی ہو، انہوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا تم جنازہ اٹھا کر لے جا سکتی ہو، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ کیا تم میت کو قبر میں اتار سکتی ہو، انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس حال میں واپس لوٹو کہ تم گناہ گار ہو اور تمہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن اکثر صحابہ اور تابعین کا مسلک یہی ہے۔ چنانچہ ابن مسعود، ابن عمر، ابو امامہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین میں مسروق، حسن بصری، ابراہیم النخعی، امام اوزاعی، اسحاق حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا یہی قول ہے۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ بوڑھی عورتوں کے لئے جنازے کے [illegible] مطلقاً جائز ہے۔ نوجوان عورت اگر خود مصیبت زدہ ہو یعنی اس کا قریبی رشتہ دار [illegible] ہو تو اس کے لئے بھی پردے میں جنازے کے ساتھ نکلنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے [illegible] میں واقع ہونے کا خوف نہ ہو کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ



سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ تھے، انہوں نے جنازہ میں شامل عورت کو دیکھ کر آواز دی اور ڈانٹا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر چھوڑ دے آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے اور زمانہ جہالت قریب میں گذرا ہے۔ یعنی غم و مصیبت کی وجہ سے صبر نہیں کر سکتی اس لئے نکل آئی چونکہ نئی مسلمان ہوئی ہے اس لئے اس کو صبر کے فضائل اور دوسرے احکام اب تک پورے معلوم نہیں ہوئے اس لئے نکل آئی ہے تم سختی نہ کرو۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان احکام کو (جو احادیث اور فقہ سے ثابت ہیں) سمجھ کر خود بھی ان پر عمل کرے اور اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو بھی ان احکام کی تلقین و تبلیغ کرے، کیونکہ شرعی احکام کے مطابق خود زندگی گذارنا اور اپنے تعلق والوں کو چاہے وہ رشتہ دار ہوں یا پڑوسی ہوں اس کی تبلیغ کرنا اور احکام شرعیہ پر ان کو عمل پیرا کرانا ہی حقیقی دوستی ہے اسی طرح میت سے بھی حقیقی محبت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کے مطابق اس کا کفن دفن کیا جائے۔ اگر ان کو احکام شرع کی تلقین و تبلیغ نہ کی جائے اور ان کو گمراہی میں بھٹکنے دیا جائے تو یہ ان کے ساتھ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے بلکہ دین کا حکم یہ ہے کہ اگر لوگ احکام شرع پر عمل نہیں کرتے اور شرعی احکام کے خلاف ورزی پر اصرار کر رہے ہیں تو پھر ان کے ساتھ تعاون و شرکت ہرگز جائز نہیں چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ،

اگر جنازہ میں کچھ منکرات ہوں جن کو مشایعت کرنے والا سنتا یا دیکھتا ہو تو اگر اس کو انکار اور ازالہ منکر کی قدرت ہے تو اس کا ازالہ کرے اور اگر ازالہ منکر کی قوت و قدرت نہیں تو اس کے متعلق فقہا کی دو رائیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ زبانی انکار کر کے جنازے کی مشایعت جاری رکھے اس لئے کہ زبانی انکار کرنے سے اس کا فرض ادا ہو گیا، حق اور ثواب کے عمل کو باطل کی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اگر منکرات کے ازالے کی قدرت نہیں رکھتا تو واپس ہو جائے اس لئے کہ اختیاری طور پر منکرات کا دیکھنا اور سننا یعنی جب ترک کی قدرت ہو جائز نہیں۔

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ میں ذاتی طور پر اس دوسرے قول کو پسند کرتا ہوں، اس لئے کہ منکرات میں شرکت کرنا بھی منکر ہے چاہے وہ شرکت ناپسندیدگی کے ساتھ ہو، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص کسی کے ناجائز فعل پر راضی ہو وہ بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہوگا بلکہ اس پر دوگنا گناہ ہوگا، ایک تو اس عمل میں شرکت کا اور ایک اس پر خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے احکام اور اس پر عمل کے بارے میں مداہنت اور سہولت پسندی اختیار نہیں کرنی چاہئے لہٰذا احکام شرع پہ عمل اور مکروہات و منکرات سے حفاظت کی بنیاد پر ہی جنازے میں شرکت کرنی چاہیے اور پڑوسی کی ان مشکلات و ضرورتوں اور مواقع میں شرکت اختیار کر سکتا ہے جن حالات و مشکلات و مواقع پر خود پڑوسی سے شرکت کی توقع اور امید رکھتا ہے۔

## مسلمان بھائی کی راحت رسانی کا بیان

عمرو بن شعیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں پڑوسی کا آٹھواں حق یہ بیان کیا گیا ہے کہ پڑوسی کے گھر پر اپنی دیوار اونچی نہ کرے جس سے کہ اس کے گھر کی ہوا رک جائے۔ اس کی تفصیل سے پہلے اتنی بات معلوم ہونی چاہئے کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پڑوسیوں کے درمیان آپس میں اس طرح کا تعلق ہونا چاہئے کہ ہر ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کرے اور دوسرے کی مصلحت اور سہولت کا خیال رکھے اور کوئی ایسی حرکت ہرگز نہ کرے جس سے دوسرے پڑوسی کو تکلیف و اذیت محسوس ہوتی ہو اسی لئے فرمایا کہ دیوار اونچی کر کے پڑوسی کی گھر ہوا کے آنے کا راستہ بند نہ کیا جائے۔ اگر اس کو ضرورت بھی ہو تو پڑوسی کی اجازت سے دیوار اتنی اونچی کرے کہ جس سے اس کی ضرورت بھی پوری ہو جائے اور پڑوسی کو اذیت و تکلیف بھی محسوس نہ ہو اگر پڑوسی دیوار اونچی کرنے کی اجازت دے دے تو پھر بلا شبہ جائز ہے، البتہ اگر پڑوسی اجازت نہ دے تو پھر بہتر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کا خیال رکھتے ہوئے دیوار اونچی نہ کرے تاکہ پڑوسی کو ایذا و تکلیف نہ ہو اور اس کے گھر سے ہوا بند نہ ہو کیونکہ تازہ ہوا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے اہم نعمت ہے اور ہر انسان کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اللہ کے بندوں کو مستفید نہ



ہونے دے اس لئے کہ اگر کوئی پڑوسی اپنے دوسرے پڑوسی کی اجازت اور رضا کے بغیر ایسا کرے تو یہ بہت برا ہے۔ اس کے علاوہ اسی قسم کے کچھ اور احکام احادیث مبارکہ میں ذکر ہیں جن کو ہم ذکر کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایک پڑوسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پڑوسی کو اس سے منع کرے کہ وہ اپنے گھر کا شہتیر اس کی دیوار پر رکھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو کچھ لوگوں کے رویے سے ناگواری اور اعراض کا اظہار محسوس ہوا تو فرمایا کہ میں تمہیں اس حکم سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتا ہوں خدا کی قسم اگر تم نے منہ موڑ کر جاؤ گے تو میں اس حکم کو تمہارے دونوں کاندھوں کے درمیان پھینکوں گا، یعنی تمہیں سنا کر ہی رہوں گا۔

(رواہ الجماعۃ الا النسائی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ نہ ضرر و نقصان برداشت کرنا چاہئے اور نہ کسی اور کو نقصان و ضرر پہنچایا جائے، پڑوسی کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے گھر کی لکڑی ہمسائے کی دیوار میں گاڑ دے، اگر راستے کے متعلق تمہارا اختلاف ہو جائے تو سات ہاتھ راستہ چھوڑ دیا کرو۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ)

عکرمہ بن سلمۃ بن ربیعہ سے مروی ہے کہ دو بھائی تھے جن کے گھر ساتھ ساتھ تھے، ایک نے دوسرے کی دیوار پر اپنی عمارت کا شہتیر رکھنا چاہا، دوسرے نے منع کیا اور کہا کہ اگر میں نے تجھے اس کی اجازت دے دی تو میرا غلام آزاد ہو جائے، دونوں اپنا فیصلہ حضرت مجمع بن یزید الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے انصار اکابر کی خدمت میں لائے سب حضرات نے گواہی دی کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس سے منع نہ کرے کہ وہ اپنے گھر کی لکڑی اس کی دیوار پر رکھے، جس نے قسم کھائی تھی اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ سب حضرات نے تیرے حق میں فیصلہ کیا لیکن چونکہ میں قسم اٹھا چکا ہوں اس لئے تم میری دیوار کے پاس ستون کھڑا کر کے اس پر اپنے گھر کا شہتیر رکھو اور میری دیوار پر مت رکھو تاکہ میری قسم بھی پوری ہو جائے اور آپ کا کام بھی، چنانچہ دوسرے بھائی نے اسی طرح کیا۔

(رواہ احمد وابن ماجہ)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ عام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پڑوسی کو اس سے منع کرنا کہ وہ اپنے گھر کا شہتیر آپ کی دیوار پر رکھے ہر گز جائز نہیں ہے بلکہ اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو مجبور کرے۔ یہی قول امام احمد، اسحاق ابن حبیب مالکی، اہلحدیث اور امام شافعی کا قول قدیم ہے۔

احناف، ہادویہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ مالک کی اجازت سے تو ایسا کرنا جائز ہے یعنی کہ دوسرے کی دیوار پر اپنا شہتیر اس کی اجازت سے رکھنا جائز ہے اور بغیر اجازت کے جائز نہیں کیونکہ احادیث مبارکہ میں یہ مضمون کثرت سے منقول ہے کہ کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی خوشی اور رضا کے حلال نہیں، اس لئے ان دونوں احادیث کے مفہوم و حکم کو جمع کرنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ جن احادیث میں ممانعت آئی ہے اس کو نہی تنزیہی پر محمول کیا گیا ہے۔

(نیل ص ۲۹۳، ج ۵)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ احادیث میں اس حدیث کا معارض تو کوئی حکم نہیں البتہ کچھ عمومی احادیث کا مفہوم اس کے خلاف ہے لہذا اس حدیث سے ان کی تخصیص کی جائے گی چنانچہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ پڑوسی کو شہتیر رکھنے کی ممانعت والی حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جب پہلے اجازت دی تھی چنانچہ سنن ابو داؤد کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تمہارا مسلمان بھائی اور پڑوسی تم سے اس کی اجازت مانگے کہ اپنی عمارت کا شہتیر تمہاری دیوار پر رکھے تو اس کو منع نہ کرو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب وہ تم سے سوال کرے، اسی طرح صحیح ابن حبان کی روایت کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب پڑوسی نے پہلے اجازت مانگی اور کسی نے اس کو اپنی دیوار پر شہتیر رکھنے کی اجازت دے دی تو پھر منع کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض محدثین نے فی جدارہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس سے دوسرے پڑوسی کی دیوار مراد نہیں ہے بلکہ خود اپنی دیوار مراد ہے لیکن صورت یہ ہے کہ



مثلاً اپنی دیوار پر لکڑی رکھنا چاہتا ہے لیکن اس سے دوسرے پڑوسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یعنی اندیشہ ہے کہ اس کے گھر میں روشنی نہیں آئے گی تو پھر ایسی صورت میں اس شخص کو اپنے ملک میں تصرف کرنے یعنی اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ اپنی ہی ملک میں تصرف کر رہا ہے۔

ہر مسلمان پڑوسی پر لازم ہے کہ ان احکام کو مدنظر رکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھے تعلقات رکھے اس لئے کہ بعض اوقات پڑوسی رشتہ داروں اور خاندان والوں سے زیادہ کام آتا ہے اس لئے ایسے امور سے اجتناب کرنا چاہئے جو دو پڑوسیوں کی درمیان تعلقات خراب کریں اور نبی اکرم ﷺ کے اس قول کو نصب العین بنائے کہ حضرت جبرئیل مجھے بار بار پڑوسی کے حقوق کے متعلق وصیت کر رہے تھے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اس کو وارث بھی قرار دیں گے، لہذا پڑوسی کو بھائی اور دوست سمجھ کر اس کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔

حدیث میں ایک حق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پڑوسی کو اپنے گھر کے سالن کی خوشبو سے تکلیف مت پہنچاؤ اور اس کو اپنی ہانڈی میں سے کچھ دو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو سخی ہونا چاہئے اور بخیل نہیں ہونا چاہئے، خاص کر پڑوسی کے ساتھ اس کا تعلق انتہائی سخاوت کا ہو یہ نہ ہو کہ آپ کے گھر میں اچھے کھانے پکیں اور اس کی خوشبو پڑوسیوں کے گھر تک جائے اگر اس کی طاقت اور استطاعت نہ ہو تو اس کو اور اس کے بچوں کو تکلیف ہوگی کیونکہ ان کی استطاعت میں نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو اس قسم کا کھانا مہیا کریں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اور اس کے بچے احساس محرومی میں مبتلا ہوں گے۔ اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ (جو مربی کامل اور رحمت کامل تھے) اس کی وصیت فرما رہے ہیں کہ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ آپ کے پڑوسی کو آپ سے اس قسم کی شکایت پیدا نہ ہو۔ ہر مسلمان کو اس سلسلے میں محتاط ہونا چاہئے اور پڑوسیوں کے احساسات وہ جذبات کا لحاظ رکھنا چاہئے تاکہ اگر پڑوسی فقیر اور غریب بھی ہو تو آپ کے عمل سے اس کو اپنی غربت کا احساس نہ ہو اور وہ غربت اور محرومی کے احساس میں مبتلا نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کامل مومنین کی صفت یہ بیان فرماتے ہیں کہ،

ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون۔

"اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اگرچہ اپنے اوپر فاقہ ہو اور جو شخص نفس سے بخل سے بچایا گیا تو وہ لوگ مراد پانے والے اور کامیاب ہیں"

(سورۃ الحشر آیت ۹)

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انصار صحابہ کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ مہاجرین صحابہ کو (جو غریب ہوا کرتے تھے) اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔ اسی طرح اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور ان کو کامیاب قرار دیا ہے جن میں بخل کی صفت نہ ہو۔

اس لئے ہر مسلمان کو سخی ہونا چاہئے اور خصوصاً اپنے پڑوسی کے ساتھ اس کا تعلق اس قسم کا ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے پڑوسی کے ہاں بھی خوشی ہو۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اعمال جو آدمی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں مغفرت و بخشش کو واجب کرتے ہیں، ان میں سے ایک عمل یہ ہے کہ آپ اپنے پڑوسی کے گھر میں خوشی سرور داخل کر دیں یعنی اس کے ساتھ ایسا تعاون کریں کہ اس کے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جائے۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک فرائض کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین عمل یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان پڑوسی کو خوشی دو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ جس نے کسی مسلمان کے گھر میں خوشی داخل کی اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے کم ثواب دینے پر راضی نہیں ہوتے۔

(رواہ الطبرانی)

اور ظاہر ہے کہ کوئی اچھا کھانا پڑوسی کے ہاں بھیجنا یہ اس کے اور اس کے بچوں کے لئے باعث خوشی ہوگا جس کے سبب وہ آپ کے لئے دعا گو رہے گا۔ یہ بھی ملحوظ رہے



کہ ایسا کرنا یعنی حاجت مند مسلمان اور خصوصاً پڑوسی کو کھانا فراہم کرنا ایمان کے کامل ہونے کی علامت ہے اور خود کھا کر اپنا پیٹ بھرنا جبکہ قریب میں پڑوسی بھوکا ہو ایمان کے ناقص ہونے کی علامت ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں یہ مضمون موجود ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اس شخص کا حقیقۃً مجھ پر ایمان ہی نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کا پڑوسی اس کے قریب بھوکا ہو جبکہ اس کو علم بھی ہو کہ وہ بھوکا ہے۔

(رواہ الطبرانی والبزار رو اسنادہ حسن)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کامل مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھرلے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

(رواہ الطبرانی والبویعلی و رواتہ ثقات)

یہ حدیث مستدرک حاکم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان الفاظ سے منقول ہے کہ

"وہ آدمی کامل الایمان نہیں جو پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کا پڑوسی قریب میں بھوکا رہے"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ پڑوسی اپنے پڑوسی کو پکڑے ہوتے ہوں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں پیش کر کے عرض کریں گے کہ اے رب اس شخص سے پوچھ لے کہ اس نے کیوں اپنا دروازہ مجھ پر بند کیا اور میرے محتاج ہونے کے باوجود اپنی زائد از حاجت چیز سے میری مدد نہیں کی۔

(رواہ الاصبہانی)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان کے ناقص ہونے کی علامت ہے کہ آدمی خود تو پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کا پڑوسی اپنی اولاد کے ساتھ بھوکا رہے لہذا مومن کامل بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہو اور اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کی ان وصیتوں کو پورا کرے جو آپ ﷺ سے پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق مروی ہیں چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم ﷺ

نے وصیت فرمائی کہ جب تم شوربا پکاتے ہو تو اس میں پانی بڑھاؤ اور پھر اپنے پڑوسیوں کو اس شوربا میں سے دے دو۔

(رواہ مسلم منفرداً)

اب دیکھئے اس عمل میں آدمی کے لئے کوئی تکلیف، مشقت اور خرچ بھی نہیں لیکن اس عمل سے پڑوسی کے ہاں خوشی ہوگی وہ اور اس کے گھر والے خوش ہو جائیں گے اور آدمی کا ایمان کامل اور موکد ہو جائے گا۔

اس بحث کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو کتب سیرت میں منقول ہے وہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے جب قبیلہ طئی کی طرف غزوات میں صحابہ کرام کو بھیجا تو وہاں کچھ مزاحمت ہوئی، مشہور سخی حاتم طائی کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا اگرچہ اس کا انتقال تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ہو چکا تھا لیکن اس کا خاندان اور اس کی اولاد موجود تھی چنانچہ صحابہ کرام کے وہاں پہنچنے پر اس کا بیٹا عدی بن حاتم پہلے تو وہاں سے بھاگ گیا لیکن بعد میں بہن کے سمجھانے پر واپس آگیا اور نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور مسلمان ہو گیا جبکہ اس کے قبیلے کے کچھ لوگ اور اس کی بہن گرفتار ہوئے، صحابہ کرام نے جب ان قیدیوں کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو ان میں حاتم کی بیٹی بھی تھی وہ آپ کے سامنے کھڑی ہوئی تھی اور اس نے کہا اے محمد ﷺ (اس وقت تک چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھی اس لئے اس نے اس طرح خطاب کیا بعد میں مسلمان ہو گئی) اگر آپ مجھے رہا کر دیں تو اچھا ہوگا، مجھے قید کر کے قبائل عرب کو مجھ پر یعنی میری قید پر خوش ہونے کا موقعہ نہ دیں، میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرے والد رشتہ داری کی حفاظت کیا کرتے تھے، قیدیوں کو چھڑایا کرتے تھے، بھوکوں کو کھلایا کرتے تھے، ننگوں کو کپڑے پہنایا کرتے تھے، مہمانوں کی عزت کرتے تھے اور کھانا کھلایا کرتے تھے اور سلام کو عام کرتے تھے، کبھی کسی حاجتمند کو نامراد واپس نہیں کیا، میں اسی حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کی باتیں پسند آئیں اور فرمایا کہ اے لڑکی یہ سب اہل ایمان کی صفات ہیں اگر تمہارے باپ بھی مومن ہوتے تو ہم اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے والد اچھے اخلاق و عادات کو پسند کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی مکارم اخلاق کو پسند فرماتے



ہیں، یہ سن کر ایک صحابی کھڑے ہوئے اور تعجب کرتے ہوئے آپ سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق و عادات کو پسند کرتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جنت میں کوئی شخص حسن اخلاق کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔

اب ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے مکارم اخلاق سے آراستہ ہو اور پڑوسیوں کی ضرورتوں کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرے۔

طبرانی میں روایت ہے کہ کسی کے ساتھ اچھائی کرنا بری موت سے محفوظ رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ لوگوں سے اچھائی اور بھلائی کرنے والا کبھی گرے گا نہیں اور اگر گر جائے تو تکیہ لگائے ہوئے گرے گا یعنی تکلیف محسوس نہیں ہوگی، نیز یہ عقیدہ تو ہر مسلمان کا ہونا چاہئے کہ جو بھلائی ہم کسی سے کرتے ہیں وہ خود ہمارے لئے باعث فائدہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ملے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

یوم ینظر المرء ماقدمت یداہ۔ (سورۃ النباء آیت ۴۰)

یعنی سب اچھے اور بُرے اعمال جو کچھ بھی کئے ہوں گے وہ حساب کتاب کے دن اس کے سامنے ہوں گے۔

## طبقاتی کشمکش کا حل

پڑوسی کے حقوق میں سے ایک حق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر آپ نے پھل فروٹ خریدا ہے تو پڑوسی کو بھی اس میں سے کچھ ہدیہ دے دیں اور اگر اتنے زیادہ خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور پڑوسی کو ہدیہ نہیں کر سکتے ہو تو پھر اس کو چھپا کر گھر لے جایا کرو اور تمہارے بچے بھی اس کو ہاتھ میں لے کر باہر نہ نکلیں تاکہ نادار پڑوسی کے بچوں کو اس سے تکلیف نہ ہو۔ بعض لوگوں کے لئے یہ حق تو نہیں ہوتا لیکن صفت کمال ہوتا ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کی وصیت اور تاکید فرمائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کی تربیت کا انداز سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور قیامت تک جتنے بھی مربی پیدا ہوں گے آپ ان کے استاذ ہیں، خود اللہ تبارک و تعالیٰ

نے آپ کی اس صفت کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا:

انک لعلیٰ خلق عظیم۔ "تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر"

(سورۃ القلم آیت ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا ہے وہ بہت اعلیٰ و ارفع ہیں اور قرآن کریم جس نیکی اور بھلائی اور خوبی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرتاً موجود تھی اور جس بدی اور درشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً بھی اس سے نفرت کرتے تھے اور بیزار ہوتے تھے پیدائشی طور پر آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی تھی کہ آپ کی کوئی حرکت اور کوئی عادت حد تناسب و اعتدال سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہوا کرتی تھی اور فطری طور پر تربیت کے اعلیٰ اور اونچے معیار پر فائز تھے، اس لئے آپ نے مربی ہونے کی حیثیت سے ہر مسلمان پڑوسی کو یہ وصیت اور تاکید فرمائی کہ جب تم اپنے گھر کے لئے پھل فروٹ خریدو تو اپنے پڑوسی کو بھی اس میں سے ہدیہ دے دیا کرو اور اگر کم ہونے یا عدم استطاعت یا کثرت اولاد کی وجہ سے اس طرح ہدیہ تمہارے لئے ممکن نہ ہو تو پھر چپکے سے اس کو گھر میں لے جاؤ اور اس کا بھی خیال رکھو کہ تمہارے بچے پھل ہاتھ میں لے کر باہر نہ نکلیں تاکہ اس کے بچے اس کو دیکھ کر حزین و غمگین نہ ہوں اور احساس محرومی و کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ ممانعت اس لئے کی گئی ہے کہ وہ پڑوسی اپنے فقر و غربت کی وجہ سے اپنی اولاد کو خوش کرنے کے لئے وہ چیز خرید کر اپنے بچوں کو مہیا نہیں کر سکے گا تو وہ خود بھی محزون و غمگین ہوگا اور اس کی اولاد بھی، جس سے معاشرے میں طبقاتی کشمکش کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے جس سے آج کل پورا معاشرہ پریشان ہے، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں پڑوسی کے حقوق کے متعلق لکھا ہے کہ پڑوسی کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے دوسرے پڑوسی کو جب دیکھے تو ابتدا بالسلام یعنی سلام کرنے میں سبقت اور پیش قدمی کرے اور بلا ضرورت اس کے ساتھ طویل کلام سے گریز کرے اور اس کے حالات کے متعلق بلا ضرورت زیادہ چھان بین اور سوال نہ کرے جب پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے اگر اس پر مصیبت



آئے تو اس کی تعزیت کرے اور مصیبت کے وقت میں اس کی مدد کرے اور خوشی کے موقع پر اس کو مبارک باد دے اور اس کی خوشی میں شرکت کرے اور اس کی غلطیوں سے درگذر کرے اور اس کی کمزوریوں کو تلاش نہ کیا کرے اگر وہ اپنے گھر کا شہتیر اس کی دیوار پر رکھنا چاہے تو اس معاملے میں اس پر تنگی نہ کرے، اسی طرح اگر وہ اس کے گھر کے پرنالے میں اپنی چھت کا پانی بہانا چاہے تو اس کو اجازت دے دے، بشرطیکہ اس سے اس کے گھر کو نقصان نہ پہنچتا ہو، اسی طرح اگر کوڑا دان کسی ایک کی ملکیت ہو تو دوسرے پڑوسی کو اس میں کوڑا کرکٹ ڈالنے سے نہیں روکنا چاہئے، اگر اس کے گھر کا راستہ آپ کے قریب سے گذرے تو راستے کو تنگ نہ کرے، اگر وہ اپنے گھر کے لئے کچھ سامان لا رہا ہے تو گھور کر اس کو نہ دیکھے اگر اس کی غلطیاں اور کمزوریاں ظاہر ہو جائیں تو اس پر پردہ ڈالے اور ان کی غلطیوں کی تشہیر نہ کرے، اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو غفلت اختیار نہ کرے بلکہ فوراً اس کی مدد کرے، اگر وہ غائب ہو تو اس کے گھر کی حفاظت کرے اور خیال رکھے، اس کے خلاف لوگوں کی باتیں نہ سنے، اگر اس کے گھر کی خواتین سامنے آئیں تو نظر نیچے رکھے، اگر اس کے گھر میں کوئی خدمت گار عورت ہو تو اس کو نہ جھانکا کرے اور اس کے بچوں کے ساتھ جائز اور مناسب پیار و محبت کرے اگر کوئی دینی یا دنیوی معاملے میں وہ ناواقف ہو تو اس کو مناسب طریقے سے بتا دیا کرے۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ پڑوس کا حق صرف اتنا نہیں ہے کہ آپ اس کو تکلیف نہ پہنچائیں اور تنگ نہ کریں بلکہ اس کے لئے تکالیف کو برداشت کریں اور اگر پڑوسی کی طرف سے تنگ کیا جائے تو اس کو صبر کے ساتھ برداشت کریں، اگر پڑوسی صرف اپنی طرف سے دوسرے پڑوسی کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچائے تو یہ ادائیگی حقوق کا کامل درجہ نہیں ہے بلکہ اگر اس کی طرف سے تکلیف بھی ملے تو بھی نرمی اور معروف اور ان کے ساتھ بھلائی میں فرق نہ آئے۔

منقول ہے کہ ایک آدمی کے گھر میں چوہے بہت زیادہ تھے جس سے ان کو تکلیف تھی، کسی نے ان سے کہا کہ تم اپنے گھر میں بلی پال لو، اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں گھر میں بلی رکھوں تو اس کی میاؤں کی آواز سن کر چوہے میرے پڑوسیوں کے گھروں میں چلے جائیں گے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چیز کو میں اپنے لئے پسند نہیں کرتا

اس کو دوسرے کے لئے پسند کر رہا ہوں، حالانکہ حدیث میں ہے کہ کوئی شخص کامل مومن نہیں بن سکتا ہے جب تک کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حسن بن عیسیٰ النیشاپوری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرا پڑوسی آکر مجھ سے میرے غلام کی شکایت کرتا ہے، جب میں اس معاملے کے متعلق غلام سے معلوم کرتا ہوں تو وہ انکار کرتا ہے اب اگر میں غلام کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا ہوں یا پڑوسی کی شکایت پر اس کو تنبیہ نہیں کرتا تو پڑوسی ناراض ہو جائے گا جس کو ناراض کرنا بھی شرعاً جائز و مستحسن نہیں اور اگر غلام کو مارتا ہوں تو چونکہ وہ انکار کرتا ہے ممکن ہے کہ اس کو ناحق مار پڑے جو شرعاً جائز نہیں تو میں کیا کروں؟

فرمایا اس کا حل یہ ہے کہ اگر کبھی آپ کے غلام سے اس طرح کی غلطی سرزد ہو جائے جس کی بنا پر وہ تادیب اور مار کا مستحق ہے تو اس وقت اس کو نہ مارو، جب پڑوسی اس کی شکایت کرے تو اس وقت اس سابقہ غلطی کی نیت اور ارادے سے اس کو مارو جس کی بناء پر وہ مار کا مستحق ہے تو پڑوسی یہ سمجھے گا کہ میری شکایت کی وجہ سے اس کو مارا ہے تو وہ بھی خوش ہوگا اور مار بھی جائز نہیں ہوگی۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک پڑوسی یہودی تھا، اس نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے اپنا بیت الخلاء اور غسل خانہ مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کی دیوار کے ساتھ اس طرح بنایا کہ اس سے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں نجاست جاتی تھی کیونکہ دیوار منہدم ہو چکی تھی، حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ ہر دن اپنے گھر کی صفائی کرتے تھے لیکن اپنے پڑوسی سے اس کی شکایت بالکل نہیں کی بلکہ صبر کے ساتھ اس کو برداشت کیا کچھ دن کے بعد خود اس یہودی کو احساس ہوا اور حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مشقت برداشت کرنے اور صبر کو دیکھ کر کہا کہ میں نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی لیکن آپ نے صبر کیا حتیٰ کہ مجھے اس تکلیف کی اطلاع تک نہیں دی میں اس پر معذرت خواہ ہوں۔

حضرت مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کی



وجہ سے صبر کیا جس میں آپ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے متعلق خیر اور بھلائی کی وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید اس کو وارث بنا دیں گے۔ یہ سن کر وہ یہودی اپنے کئے پر بہت نادم ہوا اور اسلام قبول کر کے مسلمان ہو گیا۔

اسی قصے کی طرح ایک اور واقعہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کتاب میں پڑھا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک یہودی پڑوسی تھا جو امام صاحب کے گھر کے سامنے اپنے گھر کا کچرا اور گندگی لا کر ڈالا کرتا تھا، اس کا روزانہ کا یہی معمول تھا، حضرت امام اپنے گھر کے سامنے صفائی کرایا کرتے تھے لیکن یہودی سے کبھی اس کی شکایت نہیں کی، ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے سامنے گندگی نہیں دیکھی تو پڑوسی کے متعلق پوچھا بتایا گیا کہ وہ کسی معاملے کی وجہ سے جیل میں ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ خود بنفس نفیس قید خانے گئے اور اس کی سفارش کر کے اس کو چھڑا لائے بلکہ قید خانے کے داروغہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی عزت و اعزاز میں ان تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جو اس دن قید کئے گئے تھے، یہودی کو جب رہائی کے بعد اس کا علم ہو تو وہ اپنے سابقہ کئے ہوئے پر نادم ہوا اور امام صاحب سے معذرت کی اور مسلمان ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بھی مستحسن تھیں اور اب زمانہ اسلام میں تو بطریق اولیٰ مستحسن ہیں:

(۱) اگر کسی کے ہاں مہمان آئے تو اس کے اکرام و عزت میں خوب کوشش کرنا۔

(۲) اگر کسی کی بیوی بہت بوڑھی ہو جائے یا بیمار ہو جائے اور شوہر کے کسی کام کی نہ رہے تب بھی اس کو طلاق نہ دینا تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور بے سہارا نہ رہ جائے۔

(۳) اگر کسی کے پڑوسی پر قرض چڑھ جائے یا اور کوئی ضرورت و حاجت پیش آجائے تو کوشش کر کے اس کے قرض کو ادا کرانا اور جو ضرورت و حاجت بھی ہو اس کو پورا کرنا۔

بعض علماء سے منقول ہے کہ حسن جوار یعنی اچھا پڑوسی چار باتوں سے ہوتا ہے:

(۱) جو کچھ آپ کے پاس ہے اس سے پڑوسی کے ساتھ مدد کرنا۔

(۲) پڑوسی کے پاس جو کچھ ہے اس کی طمع اور لالچ نہ کرنا۔

(۳) اپنی تکالیف اور ایذاؤں سے اس کو محفوظ رکھنا۔

(۴) اگر اس کی طرف سے ایذاء و تکلیف محسوس ہو تو اس پر صبر اختیار کر۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حسن اخلاق دس صفات کا نام ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ صفات بیٹے میں موجود ہوتی ہیں لیکن باپ میں نہیں ہوتیں، غلام میں ہوتی ہیں وہ اس کے مالک میں نہیں ہوتیں ان صفات حمیدہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ جس کے لئے چاہیں تقسیم فرمادیتے ہیں وہ دس صفات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سچ بولنا۔

(۲) لوگوں سے ہمیشہ سچائی کا معاملہ کرنا۔

(۳) سائل یعنی مانگنے والے کو کچھ دینا اور اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔

(۴) بوقت ضرورت دی ہوئی چیز کا اچھا بدلہ دینا۔

(۵) صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا۔

(۶) امانت کی حفاظت کرنا۔

(۷) پڑوسی کے متعلق شریعت کی ذمہ داری پوری کرنا۔

(۸) ساتھیوں اور دوستوں کے متعلق اپنی ذمہ داری پوری کرنا۔

(۹) مہمان کی مہمانداری کرنا اور اس کی عزت کرنا۔

(۱۰) ان سب صفات میں سب سے بڑی صفت یعنی حیاء کا ہونا۔

ان صفات حمیدہ کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے خصوصاً اپنے پڑوسی کے ساتھ ان صفات سے متصف ہو کر پڑوس کے حقوق کی حفاظت کرنا یہ ہر مسلمان کے فرائض میں شامل ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے ایذا و تکلیف پہنچاتا اور گالیاں دیتا ہے اور ہر وقت اور ہر معاملے میں مجھے تنگ کرتا ہے، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جاؤ اگر وہ تیرے حقوق کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے تو تیرے لئے ایسا کرنا اور اسی طرح کا بدلہ دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ تم اس کے حقوق کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے احکام کی اطاعت کرو۔

مختلف اوقات میں وہ دعا پڑھنی چاہئے جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول



ہے تاکہ پڑوس اور گھر کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہو وہ دعا یہ ہے،

اللھم انی اسالک اربعاً واعوذبک من اربع اسالک لساناً صادقاً وقلبا خاشعا وبدنا صابرا وزوجة تعیننی علی امر دنیای وامر اخرتی واعوذبک من ولد یکون علی سیدا ومن زوجة تشیبنی قبل وقت المشیب ومن مال یکون مشبعة لغیری بعد موتی ویکون حسابه فی قبری ومن جار سوء ان رای حسنة کتمها وان رای سیئة آزاعها وافشاها۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے چار باتوں کا سوال کرتا ہوں اور چار باتوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں سوال کرتا ہوں کہ

(۱) مجھے سچ بولنے والی زبان عطا فرما

(۲) آپ کی ذات سے ڈرنے والا اور عاجزی اختیار کرنے والا دل عطا فرما۔

(۳) مصیبتوں اور تکالیف پر صبر اختیار کرنے والا بدن عطا فرما۔

(۴) اور ایسی بیوی عطا فرما جو دنیا و آخرت کے جائز معاملات میں میری مدد کرے۔

(۱) اور میں پناہ مانگتا ہوں ایسی اولاد سے جو مجھ پر حاکم بنے یعنی مجھ پر سرداروں کی طرح حکم چلائے۔

(۲) اور ایسی بیوی سے جو مجھے وقت سے پہلے بوڑھا کر دے یعنی ہر وقت اور ہر بات میں مجھے تنگ کرے اور مجھ سے لڑائی کرتی رہے اور جھگڑتی رہے۔

(۳) اور پناہ مانگتا ہوں ایسے مال سے جو میری موت کے بعد دوسرے کا پیٹ بھرے اور اس کا حساب و کتاب مجھ سے میری قبر میں ہو۔

(۴) پناہ مانگتا ہوں ایسے پڑوسی سے کہ اگر وہ میری اچھائی دیکھے تو اس کو چھپالے یعنی اس کی تحسین نہ کرے اور اگر برائی دیکھے تو اس کی اشاعت کرے اور لوگوں میں اس کو مشہور کرے۔

## اللہ تعالیٰ کے پڑوسی

اگر آپ چاہتے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پڑوسیوں میں آپ کا شمار ہو تو پھر آپ کو ان صفات کا حامل ہونا چاہئے۔

(۱) قرآن کریم کا پڑھنے والا (جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے)
(۲) عبادات کے ساتھ مساجد کو آباد کرنے والا۔

چنانچہ ابو نعیم اصفہانی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ان صفات کا ذکر ہے چنانچہ نقل کرتے ہیں کہ،

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پڑوسی ہوسکتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ قرآن کریم کے قاری یعنی قرآن پڑھنے والے اور مساجد کو آباد کرنے والے کہاں ہیں یعنی ان صفات کے حاملین میرے پڑوسی ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے جوار میں ہوں گے اور رحمت خاص کے مستحق ہوں گے۔

اب ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں تلاوت قرآن کے فضائل اور مناقب مذکور ہیں تاکہ ان احادیث سے تلاوت قرآن کی رغبت پیدا ہو اور آدمی اللہ تبارک و تعالیٰ کا پڑوسی بننے کا مستحق ہو سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کو اس کے بدلے نیکی ملے گی اور وہ نیکی دس گنا بڑھے گی، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے اور لام الگ حرف ہے اور میم الگ حرف ہے یعنی الم پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں گی۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح غریب)

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن کریم پڑھنے یعنی تلاوت کرنے نے مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا یعنی ہر وقت تلاوت میں مشغول رہنے کی وجہ سے زیادہ دعا نہیں کر سکا تو میں اس کو ان لوگوں سے بھی زیادہ اور افضل دوں گا جو مجھ سے مانگتے ہیں یعنی مانگنے والوں سے بھی اس کو زیادہ دوں گا، اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کی فضیلت سب لوگوں کے کلام پر اتنی ہی زیادہ ہے جتنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی فضیلت اور بڑائی اپنی مخلوق پر ہے۔



(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت ابو امامۃ الباہلی سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ قرآن کریم پڑھا کرو یہ قیامت کے دن پڑھنے والوں کے لئے شفیع ہوگا۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جب قرآن کریم پڑھنے والا اور اس کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوگا تو قرآن کریم اللہ تبارک و تعالیٰ سے کہے گا کہ اے اللہ! اس کو زیور پہنا دیجئے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص کو کرامت اور عزت کا تاج پہنچائیں گے، قرآن کریم پھر کہے گا اے رب اس کی عزت کچھ اور بڑھا دیجئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو ایک جوڑا پہنائیں گے، پھر قرآن کریم کہے گا اے اللہ اس بندے سے راضی ہو جا، اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیں گے، پھر اس کے بعد اس سے کہا جائے گا کہ قرآن کریم کی تلاوت کر اور جنت کی منازل میں اوپر چڑھ اور ہر آیت پڑھنے پر نیکی بڑھے گی۔

(رواہ الترمذی وحسنہ وابن خزیمۃ والحاکم وقال صحیح الاسناد)

پس ہر مسلمان کو قرآن کریم کا قاری اور تلاوت کرنے والا ہونا چاہئے جیسے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک وصیت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا یہ قرآن تیرے لئے زمین میں نور ہوگا اور آسمانوں میں تیرے ذکر کا سبب ہوگا۔

## آداب تلاوت

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے کچھ آداب ہیں جن کی رعایت ضروری ہے اگر ان آداب کی رعایت نہ رکھی جائے تو آدمی ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔

(۱) قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے وضو کرنا چاہئے اگر دیکھ کر مصحف میں تلاوت کرنا ہے تو اس صورت میں وضو ضروری ہے کیونکہ بغیر وضوء کے مصحف کو ہاتھ لگانا جائز نہیں اور اگر حفظ اور زبانی تلاوت کرتا ہے تو اگرچہ بغیر وضوء تلاوت کرنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ وضوء کرکے تلاوت کرے کہ زیادہ ثواب ملے گا۔ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول منقول ہے کہ آپ ﷺ بغیر طہارت کے اللہ کے ذکر کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ مرد و عورت کے لئے حالت جنابت میں اور عورت کے لئے حالت حیض، میں

میں زبانی یا ناظرہ یعنی دیکھ کر دونوں طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مصحف کو بغیر ہاتھ لگائے صرف دیکھنا اور دل میں بغیر زبان ہلائے پڑھنا جائز ہے۔

جس شخص کا منہ نجس ہو مثلاً شراب پئے ہوئے ہو تو اس کے لئے بھی تلاوت کرنا جائز نہیں، اسی طرح نجس ہاتھ سے مصحف کو پکڑنا اور مس کرنا بھی جائز نہیں۔

(۲) مستحب اور بہتر یہ ہے کہ پاک جگہ میں قران کریم کی تلاوت کرے، افضل ترین جگہ مسجد ہے۔

(۳) یہ بھی مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا روبقبلہ بیٹھے خشوع اور خضوع اور عاجزی کا اظہار کرے اور سکون و وقار کے ساتھ بیٹھا رہے۔

(۴) تلاوت سے پہلے مسواک کرنا بھی افضل و بہتر ہے تاکہ منہ بھی پاک ہو اور قرآن کریم کی تلاوت کے لئے تعظیم و اہتمام کا اظہار بھی ہو۔

(۵) جب تلاوت کی ابتداء کرے تو چاہے کسی سورت کی ابتداء سے ہو یا درمیان سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے البتہ سورۃ براءۃ میں دوران تلاوت بسم اللہ نہ پڑھے۔

(۶) ترتیل کے ساتھ قواعد تجوید کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کی قرات ترتیل کے ساتھ ہوتی تھی۔ صحیح حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ کی تلاوت اس طرح واضح ہوا کرتی تھی کہ ایک ایک حرف بالکل الگ اور واضح ہوتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ورتل القرآن ترتیلا۔ "اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف" (سورۃ مزمل آیت ۴)

یعنی اس طرح پڑھیے کہ ایک ایک حرف صاف سمجھ میں آئے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے جس سے ذوق و شوق اور بڑھ جاتا ہے۔

(۷) مسنون ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت غور و فکر اور تدبر سے پڑھے اور قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے کیونکہ تلاوت کا اہم مقصد یہی ہے اور قرآن کریم سمجھنے سے سینہ میں انشراح اور دل میں ہدایت کی روشنی پیدا ہوتی ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر لوگ صرف قران کریم کی سورۃ والعصر میں غور و فکر کرتے



تو یہ سورۃ ان کے لئے کافی ہو جاتی۔

دلوں پر گمراہی اور فسق و فجور کے جو تالے پڑے ہیں ان کو کھولنے کے لئے قرآن کریم میں غور و تدبر ضروری ہے بغیر غور و تدبر کے نہ یہ تالے کھل سکتے ہیں ورنہ ہوش کھلتے ہیں چنانچہ قران کریم میں ارشاد باری ہے کہ،

افلا یتدبرون القران ام علی قلوبھم اقفالھا۔

"کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا دلوں پر لگ رہے ہیں ان کے تالے"

(سورۃ محمد آیت ۲۴)

یعنی یہ منافق اور کافر لوگ قرآن کریم کے دلائل اور مضامین و احکام میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔

(۸) تلاوت قرآن کریم کے وقت رونا مستحب ہے اور جن لوگوں کو رونا نہ آئے تو وہ بھی حزن و غم اور خشوع و خضوع کی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لیں اور رونے کی صورت بنا لیں۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ،

ویخرون للاذقان یبکون و یزیدھم خشوعا۔

"اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کی عاجزی"

(سورۃ الاسراء آیت ۱۰۹)

یعنی قرآن کریم کو سن کر اہل ایمان پر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔

(۹) قرآن کریم کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا مستحب و مسنون ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قرآن کریم کو مزین کرو اپنی آوازوں کے ساتھ یعنی اچھی آواز کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھو۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وھو حدیث حسن او صحیح)

(۱۰) جب قران کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو کان لگا کر پورے غور و فکر کے ساتھ اس کو سننا ضروری ہے اور شور شرابہ اور بات چیت کرنا ممنوع ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے،

واذاقری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

"جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"

(سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴)

یعنی قرآن کریم کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے اُدھر کان لگائیں اس کی ہدایات کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت شور و شغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں اگر کافر بھی ان آداب کے ساتھ قرآن کریم سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے اور اگر کوئی پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے یا کم از کم اس عمل کے اجر و ثواب سے نوازا جائے۔

(۱۱) جب قرآت کے وقت آیت سجدہ پڑھے یا سنے تو سجدہ کرنا چاہئے آیات سجدہ کی تعداد چودہ اور بعض علماء کے نزدیک پندرہ ہیں، آیات سجدہ کی نشاندہی مصاحف میں ہوتی ہے جہاں سجدہ کرنا چاہئے وہاں مصحف کے حاشیے پر اس کی علامت بنی ہوئی ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب آیات سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے،

سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ بحولہ وقوتہ۔

"میرے چہرے نے سجدہ کیا اس ذات کے لئے جس نے اس کو پیدا کیا اور اچھی شکل و صورت بخشی اور اپنی قوت و طاقت سے اس میں سننے اور دیکھنے کی قوت رکھی"

(رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وھو حدیث حسن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تعمیل حکم میں سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت کہ انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا جس کی بناء پر وہ جنت کا مستحق ہوا اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم ہوا میں نے انکار کیا میں جہنم کا مستحق بنا۔

(اخرجہ مسلم)



"فقہ السنۃ" میں ہے کہ جو آیات سجدہ پڑھے یا سنے تو بہتر یہ ہے کہ اگر باوضو ہو تو اسی وقت تکبیر پڑھ کر سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہہ کر سجدہ سے اٹھے یہ سجدہ تلاوت کہلاتا ہے اس میں تشہد پڑھنا بھی نہیں اور سلام بھی نہیں۔

نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب ہمیں قرآن کریم پڑھاتے اور سجدہ کی آیت پڑھتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔

(رواہ ابو داؤد والبیہقی والحاکم قال صحیح علی شرط الشیخین)

(۱۲) جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ سجدہ تلاوت قاری یعنی پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر لازم ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن منبر پر جمعہ کے دن سورۃ النحل تلاوت کی، جب سجدہ کی آیت پڑھی تو منبر سے اتر کر خود بھی سجدہ کیا اور جو لوگ سن رہے تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا، دوسرے جمعے کو پھر منبر پر وہی تلاوت کی جب آیت سجدہ پڑھی تو لوگ اسی وقت سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ آیت سجدہ سن کر فی الفور اسی وقت سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہمیں اس کا حکم ہے جو شخص آیت سجدہ سن کر فی الفور سجدہ کرے تو اچھا ہے اور جو شخص اسی وقت فی الفور سجدہ نہ کرے (بلکہ بعد میں کسی وقت ادا کرے) تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں دوسری روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فی الفور سجدہ کرنا فرض قرار نہیں دیا اگر ہم چاہیں تو فی الفور سجدہ کریں اور اگر چاہیں تو بعد میں کریں۔

(۱۳) قرآن کریم میں مقامات سجدہ یعنی آیات سجدہ بعض علماء کے نزدیک چودہ اور بعض کے نزدیک پندرہ ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کو پندرہ آیات سجدہ پڑھائیں جس میں تین مفصل کی سورتوں میں ہیں اور دو سورۃ حج میں۔

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ والحاکم والدار قطنی وحسنہ المنذری والنووی رحمہ اللہ تعالیٰ)

واضح رہے کہ سورۃ حج کا دوسرا سجدہ احناف کے ہاں واجب نہیں ہے۔

قرآن کریم میں آیات سجدہ درج ذیل ہیں:

(۱) سورۂ اعراف آیت ۲۰۶

(۲) سورۂ الرعد آیت ۱۵

(۳) سورۂ النحل آیت ۵۰

(۴) سورۂ اسرء آیت ۱۰۹

(۵) سورۂ مریم آیت ۵۸

(۶) سورۂ الحج آیت ۱۸

(۷) سورۂ الحج آیت ۷۷۔ یہ سجدہ شوافع کے ہاں ہے احناف کے ہاں واجب نہیں۔

(۸) سورۂ الفرقان آیت ۶۰

(۹) سورۂ النمل آیت ۲۶

(۱۰) سورۂ السجدہ آیت ۱۵

(۱۱) سورۂ صاد آیت ۲۴

(۱۲) سورۂ فصلت (حم السجدہ) آیت ۳۸

(۱۳) سورۂ النجم آیت ۶۲

(۱۴) سورۂ الانشقاق آیت ۲۱

(۱۵) سورۂ العلق آیت ۱۹

(۱۴) جمہور فقہاء کے ہاں سجدہ تلاوت کے لئے بھی وہی احکام و شرائط ہیں جو نماز کے لئے ہیں مثلاً طہارت، استقبال قبلہ، ستر عورت جس طرح عام نمازوں میں ضروری ہے اگرچہ بعض علماء سے بے وضو سجدہ تلاوت کا جواز بھی منقول ہے جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لئے وضو شرط ہے چنانچہ سنن بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ کوئی شخص حالت طہارت کے بغیر سجدہ نہ کرے، طہارت کے بغیر کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اس روایت کی سند کو فتح الباری میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔ سجدہ تلاوت کے لئے ستر عورت اور استقبال قبلہ بھی بقدر امکان ضروری ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

(۱۵) فقہ السنۃ میں لکھا ہے کہ امام اور منفرد کے لئے نماز میں آیات سجدہ کی تلاوت جائز ہے جب آیت پڑھے تو سجدہ بھی کرے چاہے نماز جہری ہو یا سری۔



صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو رافع سے منقول ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی نماز میں انہوں نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ بھی کیا۔

میں نے پوچھا کہ ابو ہریرہ یہ کیسا سجدہ ہے؟ فرمایا میں نے یہ سجدہ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کیا۔

مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز میں پہلی رکعت میں سجدہ کیا جس سے صحابہ کرام نے اندازہ کیا کہ آپ نے آلم تنزیل السجدہ پڑھی ہوگی۔

بہر حال مقتدی پر سجدہ کرنے میں امام کی متابعت لازم ہے اگرچہ اس نے خود آیت نہ سنی ہو اور اگر امام آیت سجدہ پڑھے اور سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی امام کی متابعت کرے اور اس وقت سجدہ نہ کرے جیسے کہ کوئی مقتدی آیت سجدہ نماز میں جہر سے پڑھ لے اور قریب والے شریک نماز سن لیں یا نماز سے خارج کوئی شخص آیت سجدہ پڑھ لے اور نمازی سن لیں تو دونوں صورتوں میں نماز کے اندر سجدہ تلاوت نہیں کرے گا بلکہ فراغ کے بعد سجدہ کرے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شوافع کے ہاں امام یا منفرد کے لئے نماز میں آیات سجدہ کی تلاوت مکروہ نہیں ہے چاہے نماز جہری ہو یا سری البتہ جب آیت سجدہ پڑھ لے تو پھر سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز میں آیات سجدہ کا پڑھنا مکروہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سری نمازوں میں مکروہ ہے اور جہری میں بلا کراہت جائز ہے۔ صاحب بحر الرائق (ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ) نے لکھا ہے کہ اگر امام سری نماز میں آیت سجدہ پڑھے تو بہتر یہ ہے کہ سلام کے بعد تک سجدہ موخر کرے تاکہ مقتدی تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔

(۱۶) فقہ السنۃ میں ہے کہ جب کوئی قاری ایک مجلس میں کئی دفعہ آیت سجدہ تلاوت کرے یا ایک ہی مجلس میں ایک آیت سجدہ کئی دفعہ سنے اور پہلی دفعہ سن کر سجدہ نہ کیا ہو تو اخیر میں ایک ہی سجدہ کافی ہوگا، ہاں البتہ اگر کئی آیات ہوں یا پہلی دفعہ سن کر سجدہ کر

لیا اور اس کے بعد پھر وہی آیت دوسری بار سنی یا ایک ہی آیت مختلف مجلسوں میں سنی تو پھر متعدد سجدے لازم ہوں گے، یہ احناف کا مسلک ہے۔ امام احمد، مالکؒ، شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جتنی دفعہ آیت سنی اتنے ہی سجدے ضروری ہوں گے کیونکہ ہر سجدے کے لئے سبب الگ الگ ہے۔

(۱۷) جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھ کر اس کے بعد فی الفور سجدہ تلاوت کرنا مستحب اور افضل ہے البتہ اگر تاخیر کرلے تو تاخیر سے بھی سجدہ قضاء نہیں ہوتا۔ البتہ بعض علماء کے ہاں اگر بہت زیادہ تاخیر کر لی جائے تو پھر وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں پر آیات سجدہ کے ان احکام کا جاننا اور ان کی رعایت کرنا لازم ہے۔

(۱۸) تلاوت کے دوران بلا ضرورت بات کرنا اور تلاوت کو منقطع کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام پر مخلوق کے کلام کو ترجیح دینا اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونا جائز نہیں ہے البتہ ضروری کے تحت ضرورت بات کے لئے تلاوت کو قطع کرنا جائز ہے دوبارہ پھر اعوذ باللہ الخ پڑھ کر شروع کرے۔

(۱۹) تلاوت کے وقت ہنسنا اور عبث لہو لعب میں مشغول ہونا یا دوسری چیزوں کی طرف بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں۔

(۲۰) تلاوت کے وقت سورتوں کی ترتیب کو الٹ کر پڑھنا بھی نامناسب اور ممنوع ہے مثلاً پہلے الم نشرح پڑھ کر پھر سورۃ الضحیٰ پڑھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جو قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب کو الٹ کر تلاوت کرتا ہے آپ نے فرمایا ایسے آدمی کا دل بھی الٹا ہو جائے گا۔

(۲۱) اسی طرح تلاوت کے وقت دو سورتوں کو خلط ملط کرنا کہ کچھ آیات ایک سورۃ کی پڑھے اور پھر کچھ دوسری سورت کی پڑھے، یہ بھی ممنوع اور تلاوت کے آداب کے خلاف ہے بہتر یہی ہے کہ آدمی بوقت تلاوت مصحف عثمانی کی ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرے۔

(۲۲) قرآن کریم کی تلاوت عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کرنا جائز نہیں آدمی نماز میں ہو یا عام حالات میں۔



(۲۳) مختلف قراتوں سے قران کریم کی تلاوت جائز ہے لیکن شاذ قراتوں سے جائز نہیں۔ ابن عبداللہ مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ شاذ قرات اس کو کہتے ہیں جس کو مختلف قراء حضرات نے ثابت قرار نہ دیا ہو۔ مشہور قراء میں ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ (جو کہ مکہ مکرمہ کے قاری تھے) اور نافع رحمہ اللہ تعالیٰ (جو مدینہ منورہ کے قاری تھے) وغیرہ شامل ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ شاذ قراتوں پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا اور ان قراتوں سے نماز پڑھانا جائز نہیں جیسے سورہ یونس کی یہ آیت ۹۲ کی مشہور قرات یوں ہے،

فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک ایۃ

"سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہو جائے تو اپنے پچھلوں کے لئے نشانی" (یعنی جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو اس وقت اس سے یہ فرمایا گیا تھا)

اس آیت کی ایک شاذ قرات میں ننجیک بجائے جیم کے حاء کے ساتھ ننحیک ہے، جیسے کہ ابن الجزری نے ذکر کیا ہے۔

(۲۴) تلاوت قرآن کریم کے لئے سب سے افضل وقت وہ ہے کہ جب آدمی نماز میں ہو کہ نماز کی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد طویل قرات کرے بشرطیکہ اکیلے میں نوافل وغیرہ پڑھ رہا ہو۔ فرائض میں قدر مسنون سے زیادہ مکروہ ہے اس لئے کہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو کیونکہ مقتدیوں میں بیمار، حاجت مند اور ہر قسم کے ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں، اس کے بعد رات کو تلاوت کرنا افضل ہے۔

پھر رات میں بھی نصف اخیر میں زیادہ بہتر ہے۔ مغرب و عشاء کے درمیان بھی تلاوت پسندیدہ عمل شمار کیا دن میں تلاوت کے لئے سب سے افضل وقت نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک کا ہے۔

(۲۵) دنوں میں سب سے افضل دن تلاوت کے لئے یوم عرفہ ہے پھر یوم جمعہ پھر پیر اور جمعرات کے دن افضل ہے۔

(۲۶) مہینوں میں رمضان کے آخری دس دن اور ذوالحجہ کے اول دس دن، رمضان کا پورا مہینہ باقی مہینوں سے افضل ہے۔ اور اس میں کثرت تلاوت باعث اجر و ثواب اور مسنون ہے۔

(۲۷) افضل یہ ہے کہ آدمی قرآن کریم کی تلاوت جمعۃ المبارک کے دن سے شروع کرے اور جمعرات کے دن ختم کرے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ سوم سے یہ عمل منقول ہے۔

(۲۸) افضل یہ ہے کہ ختم قرآن دن کے یا رات کے پہلے حصے میں کرے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ آدمی ختم قرآن فجر کی سنتوں میں کرے یعنی آخری دونوں سورتوں کو فجر کی سنتوں میں پڑھے یا پھر مغرب کے بعد کی سنتوں میں ختم کرے۔

(۲۹) افضل یہ ہے کہ ختم کے دن روزہ رکھے معجم طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ منقول ہے کہ جب قرآن کریم ختم کرتے تو اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے دعا کیا کرتے تھے۔

ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ ان مذکورہ بالا آداب کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرے تا کہ اس کی تلاوت شرعی احکام کے مطابق ہو اور وہ اس پر ثواب کا مستحق بن سکے۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کی صحیح تلاوت سے آدمی اللہ تعالیٰ کے پڑوسیوں میں شمار ہوتا ہے بلکہ سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس فضیلت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ان الذین یتلون کتاب اللہ واقاموا الصلاۃ وانفقوا مما رزقناھم سرا و علانیۃ یرجون تجارۃ لن تبور لیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ انہ غفور شکور۔

"جو لوگ پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارے دیئے ہوئے میں سے چھپے اور کھلے طور پر یہ لوگ امیدوار ہیں ایسی تجارت کے جس میں گھاٹا نہ ہوگا تا کہ پورا دے ان کو ثواب ان کا اور زیادہ دے اپنے فضل سے تحقیق وہی بخشنے والا قدردان ہے"

(سورۂ فاطر آیات ۲۹ ـ ۳۰)

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے ہیں اور اس کی کتاب کو عقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں نیز بدنی اور مالی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست تجارت کے امیدوار ہیں جس میں خسارے اور گھاٹے کا کوئی احتمال نہیں بلا



شبہ جب اللہ تعالیٰ خود ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس میں لوگ یقیناً حق بجانب ہیں کہ نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہو سکتا سراسر نفع ہی نفع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور تھوڑی سی طاعت کی قدر کرتے ہیں اور ضابطہ سے جو ثواب ملنا چاہئے (بغور بخشش) اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔

## مساجد کو آباد کرنے والے

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے پڑوسیوں میں دوسرے نمبر پر ان لوگوں کو ذکر کیا گیا ہے جو مساجد کو آباد کرتے ہیں۔ مساجد کو عبادات کے ساتھ آباد کرنے والوں کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی قدر و منزلت کے متعلق بہت ساری احادیث و آثار منقول ہیں۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو بار بار مسجد آتا جاتا ہو یعنی عبادت کے لئے مسجد جانا اس کی عادت بن چکی ہو تو اس کے صاحب ایمان ہونے کی گواہی دو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے،

انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر۔

"بے شک مساجد کو آباد کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں"

(رواہ الترمذی واللفظ لہ وقال حدیث حسن غریب وابن ماجۃ وابن خذیمۃ وابن حبان فی صحیحھما والحاکم کلھم من طریق دراج ابی السمح عن ابی الھیثم عن ابی سعید وقال الحاکم صحیح الاسناد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کے گھروں (یعنی مساجد) کو آباد کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کے اہل ہیں یعنی اللہ والے لوگ ہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ مساجد کو آباد کرنے والا بنے تا کہ وہ ان اہل ایمان میں شمار ہو جن کے ایمان کی شہادت نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے نیز اپنے اس عمل سے وہ اللہ

والوں میں شمار ہوگا جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا۔

جب آپ کسی مسجد میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ فرض نماز کی ادائیگی کی نیت سے جائیں تو آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین میں میرے گھر مساجد ہیں اور جو لوگ ادائیگی فرائض و عبادات کے لئے آکر مساجد کو آباد کرتے ہیں وہ میرے مہمان اور ملاقاتی ہیں خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو اپنے گھر میں وضو کرے اور میرے گھر یعنی مسجد میں میری ملاقات کے لئے آئے، ہر میزبان پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ایسے لوگوں کا اکرام کریں گے جو مساجد کو آباد کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مساجد کو عبادات کے ساتھ آباد کرنے والوں کی تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے جو یوں ہے۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال رجال لاتلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلاۃ وایتاء الزکوۃ یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار لیجزیہم اللہ احسن ماعملو ویزیدہم من فضلہ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔

"ان گھروں میں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے، اس کی تقدیس کی جائے صبح وشام، وہ ایسے مرد ہیں کہ نہیں غافل کرتی تجارت اور فروخت ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوۃ دینے سے، ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار"

(سورۃ النور آیت ۳۶ - ۳۸)

ان آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مساجد میں ذکر کرنے والوں اور وہاں عبادات ادا کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ اب ہر آدمی کو یہ حرص ہونی چاہئے کہ وہ بھی ان لوگوں کی زمرے میں شامل ہو جائے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔



حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص صبح وشام مسجد میں نمازوں کی ادائیگی کے لئے آتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ہر دفعہ آنے جانے کے بدلے ضیافت تیار کریں گے۔

(رواہ احمد والشیخان)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اور روایت میں نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (یعنی مسجد) کی طرف گیا تاکہ وہاں فرائض میں سے کوئی فریضہ ادا کرے تو اس کے ایک قدم سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور دوسرے قدم سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد ہر متقی آدمی کا گھر ہے اور جس نے مسجد کو اپنا گھر بنایا اللہ تعالیٰ اس کے کفیل اور ذمہ دار ہیں کہ اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ کریں اور پل صراط سے اس کو جنت کی طرف پار کرائیں۔ یعنی ان دونوں باتوں کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے لی ہے۔

(رواہ الطبرانی والبزار بسند صحیح)

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مساجد میں سے کچھ مساجد ایسی ہیں جن کی فضیلت ازروئے حدیث دوسری مساجد سے زیادہ ہے اور ان میں عبادات کا ثواب دوسری مساجد کی بنسبت زیادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز کا ثواب دوسری مساجد کی بنسبت ایک لاکھ زیادہ ملتا ہے اور میری مسجد یعنی مسجد نبوی میں دوسری مساجد سے ایک ہزار زیادہ ہے اور بیت المقدس میں دوسری مساجد سے پانچ سو نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔

(رواہ البیہقی وحسنہ السیوطی)

یعنی مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ

برابر ملتا ہے۔ بعض روایات میں مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز سے افضل ہے دوسری مساجد میں نماز پڑھنے سے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا زیادہ ہے۔

اکثر محدثین نے اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفر بقصد ثواب نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف مسجد حرام، میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) اور مسجد اقصی (یعنی بیت المقدس)

## احکام مساجد

اب ہم اختصار کے ساتھ مساجد کے کچھ ضروری احکام نقل کرتے ہیں جو ضروری ہیں اور ان کا ہر آدمی کو علم ہونا چاہئے۔

(۱) مسجد کی طرف جاتے ہوئے وہ دعائیں پڑھنی چاہئیں جو احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں جیسے ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ مسجد کی طرف جاتے ہوئے یہ دعا پڑھ رہے تھے۔

اللھم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراو فی سمعی نورا و عن یمینی نورا و عن یساری نورا و فی عصبی نورا و فی لحمی نورا و فی دمی نورا و فی بشری نوراً۔

صحیح مسلم کی روایت میں اس کے الفاظ اس طرح منقول ہیں۔

اللھم اجعل فی قلبی نورا و اجعل فی لسانی نورا و اجعل فی سمعی نورا و فی بصری نورا و اجعل من خلفی نورا و من امامی نورا و اجعل من فوقی نورا و من تحتی نورا اللھم اعطنی نورا۔

مسند احمد صحیح ابن خزیمۃ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسن قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر سے مسجد کی طرف نماز کے لئے نکلے اور مندرجہ ذیل دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر کر



دیتے ہیں جو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اختتام نماز تک اس کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ دعا کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

اللھم انی اسئلک بحق السائلین علیک و بحق ممشائی ھذا فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعۃ خرجت اتقاء سخطک و ابتغاء مرضاتک اسالک ان تنقذنی من النار و ان تغفرلی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔

(۲) مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے مسنون ہے کہ دایاں پیر پہلے مسجد میں داخل کرے اور یہ دعا پڑھے۔

اعوذ باللہ العظیم بوجھہ الکریم و سلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم بسم اللہ اللھم صل علی محمد اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔

اور جب مسجد سے نکلے تو بایاں پیر پہلے نکالے اور یہ دعا پڑھے۔

بسم اللہ اللھم صل علی محمد اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم۔

(۳) جب آدمی مسجد میں داخل ہو اور مکروہ وقت نہ ہو اور جماعت بھی کھڑی نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل پڑھ لے۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوقتادہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لیا کرے۔

(۴) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا یا خرید و فروخت کرنا یا نعت و حمد وغیرہ کے علاوہ اشعار پڑھنا ممنوع ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سن لے تو جواب میں یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز تم پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس غرض کے لئے نہیں بنائی گئی ہے کہ اس میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کیا جائے۔

(رواہ مسلم)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے

کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہو تو اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ تیری تجارت کو نفع مند نہ بنائے یعنی اللہ کرے تجھے خسارہ ہو۔

(رواہ النسائی والترمذی وحسنہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی میں خرید و فروخت کرنے اشعار پڑھنے اور گم شدہ چیز کے اعلان کرنے سے منع فرمایا اسی طرح نماز پڑھنے سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا یعنی صفوں میں بیٹھنا چاہئے۔

(رواہ الخمسة وصححه الترمذی)

شرح السنة میں ہے کہ احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے اشعار پڑھنے کی جو ممانعت فرمائی ہے اس سے مراد وہ اشعار ہیں جو کسی مسلمان کی ہجو یعنی برائی پر مشتمل ہوں یا کسی ظالم کی تعریف و توصیف یا ان میں کوئی فحش بات ہو جو اشعار حکمت کی باتوں پر مشتمل ہوں یا ان میں اسلام کی تعریف ہو یا نیکی مثلاً جہاد وغیرہ پر برانگیختہ کرنا مقصود ہو تو اس قسم کے اشعار مسجد میں نماز وغیرہ کے اوقات کے علاوہ پڑھنا جائز ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو نبی اکرم ﷺ کے شاعر کے لقب سے مشہور تھے) کے پاس سے گذرے جب کہ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان کی طرف غصے سے دیکھا حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب کچھ کہیں گے تو پہلے ہی ارشاد فرمایا کہ میں اس مسجد میں اس وقت بھی مدح اسلام وغیرہ کے اشعار پڑھا کرتا تھا جبکہ اس مسجد میں آپ سے بھی بہتر آدمی یعنی نبی اکرم ﷺ موجود ہوا کرتے تھے، پھر گواہی کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تو نے نبی اکرم ﷺ کو مجھ سے یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ اے حسان میری طرف سے مشرکین کے اشعار کی ہجو کا جواب دو اور دعا فرمائی کہ اے اللہ حضرت جبریل کے ساتھ حسان کی تائید فرما۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گواہی دی کہ ہاں بے شک میں نے نبی اکرم ﷺ کو



یہ فرماتے ہوئے سنا۔

(متفق علیہ)

(۵) مسجد میں اونچی آواز سے بات کرنا یا شور و شغب کرنا ممنوع ہے تاکہ نماز پڑھنے والے تشویش میں مبتلا نہ ہوں حتیٰ کہ نماز کے اوقات میں اونچی آواز سے تلاوت یا ذکر کرنے کو بھی فقہاء نے منع کیا ہے البتہ درس قرآن یا درس حدیث یا وعظ کے موقعہ پر بقدر ضرورت آواز اونچی ہو جائے تو جائز ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے لوگ نوافل میں مشغول تھے بعض لوگ اونچی آواز میں نماز میں قرات کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک نماز پڑھنے والا اپنے رب سے مناجات کرتا ہے لہذا تمہیں دیکھنا چاہئے کہ کیسے مناجات کر رہے ہو، ایک دوسرے سے آواز اونچی کر کے قرآن کی تلاوت مت کرو۔

(رواہ احمد بسند صحیح)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی میں اعتکاف کیا، بعض لوگ بہت اونچی آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، آپ نے معتکف کا پردہ ہٹا کر ارشاد فرمایا کہ تم سب اپنے رب سے مناجات کر رہے ہو لہذا بہت جہر سے پڑھ کر ایک دوسرے کو تکلیف مت دو اور آواز اونچی کرنے یعنی جہر کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ مت کرو۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی والبیہقی والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین)

(۶) امام نووی نے لکھا ہے کہ مسجد میں ضرورت کے تحت مباح باتیں چاہے دنیا کی ہوں جائز ہیں اگرچہ ان باتوں کے دوران کچھ ہنسا بھی جائے البتہ مسجد میں قہقہہ لگانا جائز نہیں۔

چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی جگہ سے نہ اٹھتے یعنی گھر تشریف نہ لے جاتے بلکہ وہیں مسجد ہی میں طلوع آفتاب تک تشریف رکھتے جب سورج طلوع ہوتا تو پھر نوافل وغیرہ پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے اس دوران ذکر وغیرہ کرتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کرام بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے کبھی کبھار مجلس میں زمانہ جاہلیت کی باتیں شروع ہو

جائیں اس دور کے بعض واقعات پر صحابہ کرام ہنسا کرتے تھے آپ صرف تبسم فرماتے۔

(اخرجہ مسلم)

(۷) مسجد میں بوقت ضرورت کھانا پینا اور سونا جائز ہے البتہ بلا ضرورت مسجد کو ان امور کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، مثلاً اگر مسافر حالت سفر میں ہے یا کوئی آدمی ایسا ہے کہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے تو اس کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم مسجد ہی میں سوتے اور قیلولہ کرتے یعنی دوپہر کو بھی مسجد میں سوتے جبکہ ہم نوجوان تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اصحاب صفہ اور عدنیین یعنی عدینہ قبیلے کے لوگ اور حضرت علی، صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد میں سونا ثابت ہے، اسی طرح بعض دوسرے صحابہ بھی مسجد میں سوتے تھے، اسی طرح حضرت ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے پہلے جب قیدی تھے تو مسجد میں ان کو قید کیا گیا تھا یعنی قید کے دوران ان کی رہائش مسجد میں تھی، جبکہ وہ حالت کفر میں تھے۔ یہ سب واقعات نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کے ہیں جن سے بوقت ضرورت مسجد میں سونے اور کھانے پینے وغیرہ کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ جب ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرک تھے اور اس حال میں وہ مسجد میں رہے تو مسلمان کا رہنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ مختصر مزنی میں ہے کہ مشرک کا بھی بوقت ضرورت مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد میں رات گذارنا جائز ہے۔

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم مسجد میں بعض دفعہ گوشت اور روٹی یعنی کھانا کھایا کرتے تھے۔

(رواہ ابن ماجہ)

(۸) مسجد میں تشبیک کرنا یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر زور دینا مکروہ ہے۔ فقہ السنۃ میں ہے کہ نماز کے لئے جاتے وقت اور مسجد میں جب نماز کے انتظار میں ہوں تو تشبیک کرنا مکروہ ہے البتہ مسجد سے باہر دیگر اوقات میں جائز ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب



تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو چاہئے کہ بہتر وضو کرے، پھر جب مسجد کے ارادے سے نکلے تو ہاتھ کی انگلیوں میں تشبیک نہ کرے اس لئے کہ ثواب کے اعتبار سے یہ آدمی گویا نماز میں مشغول ہے یعنی جب گھر سے نکلا تو نماز میں مشغول ہونے کا ثواب شروع ہو گیا اور نماز میں جب آدمی مشغول ہو تو تشبیک جائز نہیں لہذا اس حال میں بھی تشبیک جائز نہیں کیونکہ یہ حکماً نماز میں ہے۔

(رواہ احمد وابوداؤد والترمذی)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا، ایک آدمی جو مسجد کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، انگلیوں میں تشبیک کئے ہوئے تھا نبی اکرم ﷺ نے اس کو اشارے سے منع کیا لیکن وہ سمجھا نہیں آپ ﷺ نے پھر اس کو دیکھ کر اشارہ فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں ہو تو انگلیوں میں تشبیک کر کے نہ بیٹھے یہ شیطان کا عمل ہے، جب کوئی آدمی مسجد میں نماز کے انتظار میں ہو تو جب تک مسجد سے نہ نکلے وہ حکماً نماز میں مشغول ہی شمار ہوتا ہے یعنی اس کو نماز کا ثواب ملتا ہے۔

(رواہ احمد)

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان مذکورہ بالا احکام و آداب کی رعایت کرے تاکہ وہ مساجد کو آباد کرنے والوں میں شامل ہو جائے اور پورے طور پر ثواب کا مستحق بن سکے۔ مساجد کے آداب کے متعلق چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ مساجد میں بول و براز اور گندگی جائز نہیں، یہ صرف عبادت، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قراۃ قرآن کے لئے بنائی گئی ہیں۔

(رواہ مسلم)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص مسجد میں ہو اور اس کو تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو دیکھے کہ اس کا تھوک کسی مومن کے بدن یا کپڑے کو نہ لگے۔

(رواہ احمد بسند صحیح)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مسجد میں ہو تو قبلے کی طرف مت تھوکو اور

لئے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے جب تک وہ مسجد میں ہو اور نہ دائیں طرف تھوکے اس لئے کہ اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے۔ اگر مسجد کی زمین کچی ہو یا مسجد سے باہر ہو تو بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے اور پھر اس کو مٹی میں دفن کردے۔

(رواہ احمد والبخاری)

ایک اور حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی کچی پیاز یا لہسن یا گندنا کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے، فرشتوں کو بھی ان چیزوں (یعنی بدبو) سے تکلیف پہنچتی ہے جن سے انسان کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، مساجد کو آباد کرنے والے بنادے تاکہ ہم سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے پڑوسی ہونے کی صفت حاصل کرسکیں اور اس عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوسکیں۔

## جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم اور اس کی فضیلت

جب مساجد کو عبادات کے ساتھ آباد کرنے کی ترغیب وفضیلت آپ نے پڑھ لی تو اب مناسب ہے کہ آخر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم اور فضیلت کا بھی بیان ہو جائے۔

فقہ السنۃ میں ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بعض علماء کے ہاں واجب ہے اور بعض کے ہاں سنت موکدہ ہے جس کے ترک پر احادیث میں وعیدوں اور سزا کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے گھر میں یا بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجے افضل ہے۔ یہ اس لئے کہ جب آدمی سنت کے مطابق کامل وضو کرے اور پھر صرف نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف نکل جائیگا تو ایک قدم اٹھانے سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور دوسرا قدم اٹھانے سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جب نماز پڑھ لے تو جب تک مسجد میں رہے اور بے وضو نہ ہو جائے تب تک فرشتے اس کے لئے رحمت کی



دعا کرتے رہتے ہیں، اے اللہ اس پر رحم فرما اسی طرح یہ آدمی نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے یعنی اس کو نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے جب تک کہ وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے۔

(متفق علیہ وھذا لفظ البخاری)

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ کل بروز قیامت اس کی ملاقات اللہ تبارک وتعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہو تو وہ نمازوں کی حفاظت کرے اور مساجد میں جماعت کے ساتھ ان کو ادا کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے لئے ہدایت کے طریقے اور سنتیں بیان فرمائی ہیں، بے شک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنن ہدیٰ یعنی ہدایت والی سنتوں میں سے ہے، اگر تم سب اپنے گھروں میں اکیلے نماز پڑھنے لگو جیسے کہ یہ پیچھے رہنے والے گھروں میں پڑھتے ہیں تو تم اپنے پیغمبر ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ دو گے اور جب تم نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، بے شک ہم نے وہ دور دیکھا کہ جب جماعت کی نماز سے صرف وہ لوگ پیچھے رہتے تھے جن کا منافق ہونا معلوم ومشہور ہوتا، بعض اہل ایمان اس حال میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں لائے جاتے تھے کہ وہ آدمیوں کے سہارے گھسیٹتے ہوئے آتے تھے اور صف میں کھڑے کر دیئے جاتے تھے۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جب کسی گاؤں یا دیہات میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز کی جماعت کا اہتمام نہ کریں تو شیطان ان پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے اس لئے تم سب پر مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا لازم ہے بے شک بھیڑیا بکری کو کھالیتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو جائے یعنی اسی طرح شیطان اس آدمی پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ اور دور رہتا ہو۔

(رواہ ابوداؤد باسناد حسن)

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے اس اہتمام کی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے بھی مساجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی فتنہ یا گناہ میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور عورت زیب وزینت کرکے اور خوشبو لگا کر نہ نکلے۔

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی باندیوں یعنی عورتوں کو مساجد جانے سے مت منع کرو، البتہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی باندیوں یعنی اپنی عورتوں کو مساجد جانے سے منع نہ کرو البتہ وہ پراگندہ حالی میں اور بغیر زیب و زینت کے اور خوشبو لگائے مسجد میں جائیں۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ سے منقول ایک اور روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بھی خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ مسجد میں عشاء کی نماز میں نہ آئے۔

(رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی باسناد حسن)

لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اب چونکہ فتنے کا زمانہ ہے اس لئے عورتوں کو مساجد میں نماز پڑھنے کے لئے آنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اب عورتوں کی جو حالت ہے اگر نبی اکرم ﷺ اس کو دیکھ لیتے تو اپنی امت کی عورتوں کو نماز باجماعت کے لئے مساجد میں آنے سے منع فرما دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو نماز باجماعت کے لئے مساجد میں آنے سے منع کیا گیا تھا، کسی نے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مساجد میں آنے سے منع کیا گیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہاں۔

اب دیکھئے حضرت عائشہ کا دور جو خیر القرون کا دور تھا اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ممانعت کی تھی، جب کہ اس دور میں فتنے اور گناہ اتنے کثرت سے نہیں تھے جتنے کہ آج ہیں تو اب اس موجودہ دور میں بطریق اولیٰ ممانعت ہونی چاہئے کیونکہ موجودہ دور میں فتنوں اور گناہوں خصوصاً زنا وغیرہ کی جو کثرت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے لئے بھی مساجد میں آنے کو جائز قرار نہیں دیا۔ جن علماء کے نزدیک عورتوں کا مساجد میں آنا جائز تھا ان کے ہاں بھی بہتر و افضل یہی تھا کہ عورتیں گھر میں اکیلے نماز پڑھیں مساجد میں آنے کا صرف



جواز تھا لہذا ان خارجی اسباب کی بنا پر اب حکم ممانعت کا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ فقہ السنتہ میں ہے کہ عورتوں کے لئے افضل و بہتر گھروں میں اکیلے نماز پڑھنا ہے کیونکہ مسند احمد اور طبرانی میں حضرت ام حمید الساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی میں نے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے گھر میں نماز پڑھنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور قوم کے ساتھ چھوٹی مسجد میں نماز پڑھنا بڑی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اب دیکھئے مسجد نبوی (جس کی ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار یا ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے) میں خود نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے عورتوں کے لئے گھر میں اکیلے نماز پڑھنے کو نبی اکرم ﷺ افضل و بہتر قرار دے رہے ہیں تو آج کل کی مساجد اور جماعات کا حکم خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں عورتوں کے لئے حاضر ہونا کہاں تک جائز ہو گا؟

مردوں کے لئے مسجد جتنی دور ہو گی اور جماعت جتنی زیادہ ہو گی ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر و ثواب والا آدمی وہ ہو گا جس کا گھر سب سے زیادہ دور ہو اور وہ دور سے چل کر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے آتا ہو۔

## پڑوسی کے حقوق کے متعلق کچھ مزید نصیحتیں

اب اخیر میں ہم پڑوسی کے حقوق کے متعلق کچھ مزید نصیحتیں اور وصیتیں نقل کرتے ہیں جو مختلف احادیث و آثار میں ہیں یا علماء سے منقول ہیں۔

(۱) پڑوسی کے ساتھ ہر آدمی کو اس طرح کا سلوک کرنا چاہئے جس طرح کے سلوک کا وہ پڑوسی سے اپنے لئے توقع رکھتا ہے یعنی جیسے کہ پڑوسی سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اسی طرح آپ بھی ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کریں۔ جیسے حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر کے مومن بن جا یعنی پڑوسی کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا ایمان کی

علامت اور دلیل ہے اور جب لوگوں کے لئے بھی امور خیر میں سے وہ امر پسند کرو گے جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو مسلمان بن جاؤ گے یعنی یہ عمل آپ کے مسلمان ہونے کی علامت ہو گا۔

(رواہ الترمذی)

وہ حدیث بھی یاد رکھنی چاہئے جس میں نبی آکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں بہتر پڑوسی وہ ہے جو پڑوسیوں کے لئے اچھا پڑوسی ہو۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۳) جب کوئی پڑوسی آپ کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو آپ اس کے ساتھ بدلہ لینے کے لئے برائی نہ کریں، اس لئے کہ اس طرح آپ خود بھی برائی کرنے والوں میں شامل ہوں گے۔ منقول ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا پڑوسی مجھے ایذا اور تکلیف دیتا ہے، گالیاں دیتا ہے تنگ کرتا رہتا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اگر وہ تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو تیرے لئے اس کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرنا جائز نہیں ہے بلکہ تم اس کے متعلق اللہ کے احکام کی اطاعت کرو یعنی تم اس سے اچھا سلوک کرو۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ پڑوس کا حق صرف اس قدر نہیں کہ آپ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائیں بلکہ پڑوس کا حق یہ بھی ہے کہ اگر اس کی طرف سے ایذاء اور تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے نیز صرف اس کی تکالیف برداشت کرنا نہیں بلکہ پڑوسی کی تکالیف و ایذاء کے بدلے میں اس کے ساتھ نرمی اور خیر کا معاملہ کرنا چاہئے اس لئے منقول ہے کہ قیامت کے دن فقیر اور غریب پڑوسی اپنے مالدار پڑوسی کو پکڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں پیش کرے گا اور عرض کرے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ لیجئے کہ اس نے کیوں مجھ سے حسن سلوک نہیں کیا اور اپنا دروازہ مجھ پر بند کیا یعنی میری جائز ضرورتوں کو استطاعت و طاقت کے باوجود پورا نہیں کیا۔



(۳) اگر کوئی پڑوسی ایسا ہو کہ آپ کے حسن سلوک کے باوجود آپ کو تکالیف پہنچاتا ہو اور تنگ کرتا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ سے سوال کر کے اس کی تکلیفوں سے پناہ مانگنی چاہئے کہ اے اللہ اس کی ایذاؤں، شرارتوں اور تکالیف سے آپ مجھے محفوظ رکھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی آکرم ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے ان میں یہ دعا بھی شامل تھی کہ اے اللہ میں تیری ذات کے ساتھ پناہ طلب کرتا ہوں برے پڑوسی سے اقامت کی جگہ میں یعنی قبر میں بے شک دنیا کا پڑوس جلدی بدل جاتا ہے۔

(۴) اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پڑوسی کے ساتھ تعلقات اچھے رہیں اور ہمیشہ یہ تعلقات اچھی بنیادوں پر قائم رہیں تو اس کے متعلق یہ ضروری ہے کہ چغلی کرنے یا بغض و حسد اور کینہ رکھنے والوں کی باتیں پڑوسی کے متعلق نہ سنیں اور اگر کوئی کچھ بتائے تو ہرگز اس پر یقین نہ کریں۔ منقول ہے جو تجھ سے کہتا ہے وہ تجھ پر بھی کہے گا یعنی جو آدمی دوسروں کی باتیں تجھے پہنچاتا ہے اور چغلی کرتا ہے وہ تیری باتیں بھی دوسروں تک پہنچائے گا یعنی تیرے خلاف بھی باتیں کرے گا لہذا اس قسم کے لوگوں کی باتیں ہرگز نہ سنیں اور نہ اس پر یقین کریں بلکہ اپنی بیوی اور بچوں، ملازمین اور متعلقین کو بھی سمجھایئے کہ وہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک میں آپ کی مدد کریں اور پڑوسی کے ساتھ تعلقات بگاڑنے میں سبب نہ بنیں۔

اس لئے کہ کبھی آپ کی بیوی سے اختلاف ہو جائے یا آپ کی اولاد کا پڑوسی کی اولاد کے ساتھ اختلاف ہو جائے تو یہ آپ کے اور آپ کے پڑوسی کے درمیان اختلاف اور بگاڑ کا سبب بنے گا اس لئے اس سلسلے میں اپنی بیوی اور اولاد کو سمجھانا اور ان کو روکنا ضروری ہے تاکہ پڑوسی کے ساتھ اختلاف کے مواقع ہی پیدا نہ ہوں۔ اس سلسلے میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ طرفین کی رعایت رکھے نہ پڑوسی کو ناراض کرے اور نہ گھر والوں کو اس سلسلے میں زیادہ تنگ کرے۔

مطلب یہ ہے کہ ناحق طور پر اپنے گھر والوں کی حمایت نہ کرے تاکہ پڑوسیوں کے ساتھ اختلاف واقع نہ ہو اور اتفاق و اتحاد قائم رہے۔ پڑوسیوں کی طرف سے اگر اس قسم کے امور و حالات پیش آئیں کہ وہ آپ کے لئے ناقابل برداشت اور باعث غصہ ہوں تو

پھر بھی اپنے غصے پر قابو رکھ کر ان سے حسن سلوک کرنا چاہئے تاکہ اس آیت میں بیان کردہ فضیلت کا مستحق بن سکے جس میں ارشاد باری ہے۔

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔

(سورۃ العمران ایت ۱۳۴)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل تقویٰ وہ لوگ ہیں جو دبا لیتے ہیں غصہ کو اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو اور اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ یعنی غصہ کو پی جانا بہت بڑا کمال ہے اور پھر خصوصاً دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں کو معاف کر کے ان سے حسن سلوک سے پیش آنا اور بھی بڑا کمال ہے۔

اخیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو اس طرح کا پڑوسی بنائے جو دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور غلطیوں سے درگذر کریں کیونکہ اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوسرے پڑوسیوں کا محبوب بنا دیتے ہیں جیسے کہ اس حدیث میں وارد ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو عاسل یعنی نیکوکار بنا دیتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ عاسل سے کیا مراد ہے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پڑوسیوں کے ہاں محبوب اور قابل عزت بنادیتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# غیر مسلم کی عیادت و تعزیت

## چند شبہات کا جواب

محترم المقام حضرت مولانا نظام الدین صاحب شامزی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وبعد۔ ماہنامہ بینات، ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ کا مطالعہ کیا، آپ نے تعزیت کے مسائل کے بارے میں صفحہ ۴۲ پر غیر مسلم سے بھی تعزیت کے جواز کے بارے میں آئمہ کے حوالے دیئے ہیں۔ میرے خیال میں تو کافر، مشرک، مبتدع وغیرہ تو تعزیت کے قابل نہ ہوں گے۔

کیونکہ یہ دشمنان خدا اور رسول ہیں۔

قرآن میں لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔

"نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست سوا مومنوں کے"

ایسی کثیر تعداد میں آیتیں ہیں۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول المبتدع انجس و نجس من الکلب"
(بدعتی کتے سے زیادہ ناپاک اور رذیل ہے)

اسی طرح انما المشرکون نجس (بلاشبہ کافر نجس ہیں) وغیرہ۔

تلبیس ابلیس میں بھی مبتدعین کے قبائح بیان کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث میں کل بدعۃ ضلالۃ آیا ہے تو کیا ان اقوال کے مطابق ان سے بائیکاٹ کیا جانا چاہئے یا ان کی تعزیت کرنا چاہئے؟ یہ میرا ایک شکوہ ہے۔ امید ہے کہ آپ جیسے عظیم قلب والے ناراضگی نہ فرمائیں گے اور اس شکوہ کو استفتاء جان کر عاجز کو جواب سے نوازیں گے۔

واجرکم علی اللہ
احقر نور الحق تیراہ

ج: محترمی جناب نور الحق صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض آنکہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ کا لکھا ہوا آپ کا نوازش نامہ ملا جو میرے ایک مضمون

سے متعلق تھا جس میں آپ نے لکھا ہے کہ

"آپ نے تعزیت کے مسائل کے بارے میں صفحہ ۲۲ پر غیر مسلم سے تعزیت کے جواز کے بارے میں آئمہ کے حوالے دیئے ہیں۔ میرے خیال میں تو کافر، مشرک، مبتدع وغیرہ تو تعزیت کے قابل نہ ہوں گے کیونکہ یہ دشمنان خدا اور رسول ہیں۔"

آپ خود لکھا ہے کہ آئمہ کے حوالے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جب آئمہ مجتہدین اس عمل کو جائز قرار دے رہے ہیں تو یہ عمل قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ آئمہ مجتہدین کوئی ایسی بات ہرگز ارشاد نہیں فرماتے جو قرآن و حدیث کی نصوص کے خلاف ہو کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر تو وہ حضرات (نعوذ باللہ) آئمہ ہدایت نہیں ہوں گے، بلکہ ضلال و گمراہی کے امام ہوں گے اور کسی مسلمان سے اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس قسم کی بات کرے اور نہ آج تک کسی مسلمان نے یہ بات کی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کی یہ نصوص جو آپ پیش کر رہے ہیں ان مجتہدین کے سامنے بھی تھیں اور اگر غیر مسلم کی عیادت و تعزیت ان نصوص کے خلاف ہوتی تو وہ حضرات ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے کیونکہ وہ حضرات ہماری طرح دین و احکام دین کو سیاسی یا اور کسی قسم کی مصلحتوں کی بھینٹ نہیں چڑھایا کرتے تھے۔

میں پہلے تو اس بات کے حوالے پیش کرنا چاہوں گا کہ غیر مسلم کی عیادت و تعزیت جائز ہے پھر آپ کی پیش کردہ آیات و احادیث کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

چنانچہ مشکوۃ المصابیح ص ۱۳۷ ج ا باب عیادۃ المریض فصل ثالث میں پہلی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی لڑکے کی عیادت کی جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا یعنی جب وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی بیمار پرسی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے اس قسم کے تعلقات یعنی ان سے خدمت لینا اور ان کی عیادت و تعزیت کرنا قرآن کریم کی آیت لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین۔ کے خلاف نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان غلام یھودی یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاہ النبی ﷺ یعودہ فقعد عند راسہ فقال لہ اسلم فنظر الی ابیہ وھو عندہ فقال اطع ابا القاسم فاسلم الحدیث۔

(وکذافی صحیح البخاری ص ۱۸۱ ج ۱ باب اذا اسلم الصبی ھل یصلی علیہ وھل یعرض علی الصبی الاسلام)

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری ص ۲۲۲ ج ۳ میں اس حدیث کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ،

وفی الحدیث جواز استخدام المشرک وعیادتہ اذا مرض۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ

وفیہ جواز عیادۃ اھل الذمۃ ولا سیما اذا کان الذمی جار الہ لان فیہ اظھار محاسن الاسلام وزیادۃ التالیف بھم لیرغبوا فی الاسلام۔

(ص ۹۳ ج ۸)

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ الحنفی (جس کا حوالہ آپ نے بھی نقل کیا ہے) اس حدیث کے تحت مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ص ۳۴۷ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ،

فیہ دلالۃ علی جواز عیادۃ الذمی وفی الخزانۃ لاباس بعیادۃ الیھودی واختلفوا فی عیادۃ المجوسی واختلفوا فی عیادۃ الفاسق والاصح انہ لاباس بہ۔

(وھو کذافی مظاھر حق ص ۲۰ ج ۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کافر کی عیادت حدیث سے ثابت اور جائز ہے بلکہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ الحنفی کے مطابق اس میں اسلام کے محاسن کے اظہار اور کفار کے لئے ترغیب اسلام ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی زید مجدہ احسن الفتاوی صفحہ ۲۳۳ ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ،

کافر کے جنازے میں تو شرکت کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کی تعزیت جائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عزیز الفتاوی کتاب الحظر والاباحۃ ۷۷۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں۔

کفار کی عیادت اور تعزیت جائز ہے۔

در مختار ص ۲۸۸ ج کتاب الحظر والاباحۃ میں لکھا ہے کہ

وجاز عیادتہ بالاجماع وفی عیادۃ المجوسی قولان وجاز عیادۃ الفاسق علی الاصح۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ

قولہ و جاز عیادتہ ای عیادۃ مسلم ذمیاً نصرانیاً او یہودیاً لانہ نوع بر فی حقھم وما نھینا عن ذالک وصح ان النبی ﷺ عاد یہودیا مرض بجوارہ۔

آگے لکھا ہے کہ

وفی النوادر جار یہودی او مجوسی مات ابن لہ او قریب ینبغی ان یعزیہ ویقول اخلف اللہ علیک خیرا منہ واصلحک الخ۔

فتاویٰ سراجیہ ص ۷۵ میں ہے کہ

لاباس بعیادۃ الیہودی والنصرانی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے،

ویقال فی تعزیۃ المسلم بالکافر اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وفی تعزیۃ الکافر بالکافر اخلف اللہ علیک والانقص عددک۔ (ص ۱۶۷ ج ۱)

حدیث مبارکہ اور ان سب فقہی عبارات سے ثابت ہوا کہ کافر کی عیادت بھی جائز ہے اور مرنے کی صورت میں تعزیت بھی جائز ہے کافر کا نجس جہنمی اور کافر ہونا اس کے منافی نہیں لہذا اگر وہ آپ کے پڑوس یا محلے میں ہے تو اس سے سماجی اور معاشرتی تعلقات رکھے جائیں اس قسم کے سماجی اور معاشرتی تعلقات کفار سے رکھنا جائز ہیں اور خود نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام و آئمہ دین سے ثابت ہیں، چنانچہ کفار سے ہدیہ قبول کرنا نبی اکرم ﷺ سے اور کفار کو ہدیہ دینا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ سے ثابت ہے۔ احادیث کی کتابوں میں اس کی پوری صراحت موجود ہے، البتہ ان کے اعمال و اقوال کفریہ میں ان کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے اور نہ ان کے مذہبی تہواروں اور مجالس میں شریک ہو کر ان کی جمعیت بڑھانا جائز ہے۔

ہاں البتہ اگر سماجی تعلقات رکھنے سے ان کی یا ان کے مذہب کی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہو یا خطرہ ہو کہ عام مسلمان یا خود تعلقات رکھنے والا ان کے کفریہ عقائد سے متاثر ہو گا تو پھر ان خارجی عوامل کی بناء پر سماجی تعلقات جائز نہیں ہوں گے لیکن یہ ممانعت ان خارجی اور عارضی عوامل کی وجہ سے ہو گی فی نفسہ جواز اپنی جگہ قائم رہے گا۔ اسی طرح کسی کافر کے ساتھ سماجی تعلقات رکھنے میں خطرہ ہو کہ عام مسلمان دھوکے میں



مبتلا ہو کر ان تعلقات کی وجہ سے ان کو بھی مسلمان سمجھنے لگ جائیں گے جیسے قادیانی یا شیعہ عام طور پر اس قسم کے تعلقات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اپنے غلط عقائد کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور دوسروں کے سامنے ان تعلقات کو دلیل کے طور پر پیش کر کے اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں گروہوں کا اسلام سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے، اگر کوئی ایسی صورت حال ہو تو پھر سماجی اور معاشرتی تعلقات رکھنا جائز نہیں ہو گا کیونکہ ان تعلقات سے دین کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے کفر کو تسلیم بھی نہیں کرتے بلکہ اسلام کے دعویدار ہیں نیز یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ذمی بن کر نہیں رہتے کہ ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے یا ان کے ساتھ سماجی اور معاشرتی تعلقات رکھے جائیں، اس لئے یہ کفار محاربین کے حکم میں ہیں۔ ان کا حکم الگ ہے۔ جہاں اس قسم کے خارجی عوامل موجود ہوں تو وہاں پھر سماجی اور معاشرتی تعلقات (جو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر رکھے جاتے ہیں رکھنا بھی جائز نہیں ہوں گے۔

باقی جو آیتیں آپ نے پیش کی ہیں ان کا موضوع زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ آیت کریمہ انما المشرکون نجس بلکل برحق ہے لیکن یہ نجاست عقیدے کی ہے ظاہری نہیں ہے اس لئے فقہاء نے کفار کے جھوٹے کو پاک اور طاہر قرار دیا ہے چنانچہ یہ عبارت فقہ کی تمام کتابوں میں ہے کہ

وسور الادمی طاہر (اور آدمی کا جھوٹا پاک ہے)

اور فقہاء لکھتے ہیں کہ آدمی کا عام لفظ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں کافر مسلم مرد عورت سب شامل ہیں اگرچہ یہاں بھی بعض خارجی عوامل کی وجہ سے بعض دفعہ کراہت آجاتی ہے لیکن مشرک کے عقیدے کے اعتبار سے نجس ہونا سماجی اور معاشرتی تعلقات رکھنے کے منافی نہیں جیسے کہ اس سے تجارتی تعلقات اور خرید و فروخت باوجود و مشرک ہونے کے بھی جائز ہے۔ احادیث مبارکہ اور فقہ کی کتابوں میں مذکورہ بالا تمام امور صراحت سے منقول ہیں۔ اسی طرح "لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین بھی ان سماجی تعلقات کے منافی نہیں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ کافر کو خادم بنانا یا اس کو ہدیہ دینا اور اس کے ہدیے کو قبول کرنا اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ سماجی اور معاشرتی تعلقات میں ولی بنانا ضروری نہیں کیونکہ "ولی" اس دوست کو کہا جاتا ہے جس سے دلی تعلقات ہوں اور معاشرتی اور سماجی تعلقات والے ہر انسان سے عموماً

قلبی تعلقات نہیں ہوا کرتے۔

قرآن وحدیث سے اپنے ذہن اور خواہش کے مطابق کوئی معنی و مفہوم کشید کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ سلف صالحین نے ان سے کیا مفہوم لیا ہے کیونکہ قرآن کریم خود نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا اور پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو سکھلایا انہوں نے تابعین اور تبع تابعین اور وآئمہ مجتہدین کو سکھلایا تو ظاہر ہے کہ یہ حضرات تو خیرالقرون کے لوگ ہیں قرآن وحدیث سے جو معنی مفہوم مراد لیتے ہیں وہ اس (مفہوم) سے زیادہ حق اور صحیح ہوگا جو ہماری سمجھ میں آئے۔

جب ان حضرات نے کفار کے ساتھ ان سماجی تعلقات کو ان آیات کے منافی نہیں سمجھا تو ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی خواہشات کو آیات واحادیث کے اوپر چسپاں کریں بہرحال آپ کا یہ جذبہ تو قابل قدر ہے کہ کفر وشرک اور بدعت سے نفرت کی جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ نفرت بھی شرعی حدود کے اندر ہونی چاہیئے۔

کل بدعۃ ضلالۃ اور ابن جوزی کے بیان کردہ واقعات بھی صحیح ہیں لیکن یہ نفرت و ذلالت جو عقائد کی ہے سماجی تعلقات کے منافی نہیں ہے کیونکہ پڑوس اور محلہ داری کے حقوق شریعت نے ان کے لئے بھی بیان کیئے ہیں جن کو شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے پورا کرنا ضروری ہے اور اسلام کے محاسن میں سے ہیں۔

آخر میں صرف نصیحت اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت یہ مشورہ دوں گا کہ آپ کا یہ فرمانا کہ "میرے خیال میں تو کافر ومشرک الخ" درست نہیں کیونکہ دین کے مسائل میں بجائے اپنے خیالات کے علماء دین ہی سے رجوع کرنا چاہیئے اور اپنے خیال اور خواہش کو دین کے تابع کرنا چاہیئے۔ اور "اعجاب کل ذی رائی برایۃ" کا مصداق نہیں بننا چاہیئے۔

اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت کی دولت سے نوازے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نظام الدین شامزئی

استاد جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵